کامیابی کا یہ قصّہ نیا نہیں
پھر بھی اتنا ہی تازہ ...

اور اس سال Brands Icon Award کا اعزاز اس قصّے کا ایک تازہ ترین باب ہے
جو کہ پاکستان کے صرف سات منفرد برانڈز کو نوازا گیا ہے۔
ایک ایسے برانڈ کے لئے جس نے سو سال سے اپنے اعلیٰ معیار کو مسلسل برقرار رکھا ہوا ہے
یہ اعزاز جیسے روز کی بات ہو۔ گو کہ ہر بار یہ خبر اتنی ہی تازہ ہوتی ہے جیسے کہ دنیا کا سب سے
بہترین روایتی مشروب ... روح افزا

Brands of the Year
Award 2008

Consumers Choice
Award,2008

Merit Export
Award 2007-2008

Brands of the year Award 2008

ہمدرد لیبارٹریز (وقف) پاکستان

Tel: (009221) 6616001-4, E-mail: headoffice@hamdard.com.pk, www.hamdard.com.pk

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السیرۃ النبویۃ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام
تحقیقی وتوقیتی مطالعہ: مکی دور

پندرہویں قسط

پروفیسر ظفر احمد

Abstract

Al-Sirah Al-Nabawiyyah: Analytical & Chronological Study

It is the 15th part of a long chain of articles. In this treatise the learned scholar has studied the difficulties and doubts which have been raised from time to time about the Si rah of the Holy Prophet (peace be upon him). He thoroughly studied the accusation (God forbid) metal disorder of the Holy Prophet; Glad tidings given about Prophet Muhammad (peace be upon him) in the Bible; A table in a comparative manner of the chronological history of Banī Isrā'īl has also been developed. The article has been written with a comparative approach.

۱۲۔ مجنون کون ہے؟

جیسا کہ قبل ازیں مذکور ہو چکا ہے بعض متعصب مستشرقین کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بہتان یہ بھی ہے کہ آپ کو (معاذ اللہ) مرگی جیسا کوئی مرض لاحق تھا، کیوں کہ بہ مطابق احادیث حالتِ وحی میں آپ کی حالت متغیر ہو جایا کرتی تھی اور کفار مکہ بھی آپ کو (معاذ اللہ) مجنون قرار دیتے تھے۔ نزول وحی کی کیفیت کا تجربہ چوں کہ صرف خدا کے نبی کو ہوتا ہے اس لئے دوسرے لوگ اسے پوری طرح سمجھ نہیں سکتے، البتہ وحی کے مضامین پر غور کرنے سے ہر عقل مند شخص بہ آسانی سمجھ لیتا ہے کہ ایسا حکیمانہ کلام جس کی

نظیر پیش کرنے سے دوسرے لوگ قاصر ہوں، ہرگز کسی مجنون کا نہیں ہوسکتا۔ قرآن کریم میں ہے کہ'' (اے پیغمبر) تو اس قرآن کے ذریعے لوگوں کو نصیحت کرتا رہ۔ تو اپنے رب کے فضل سے نہ تو (ظن وتخمین سے غیبی خبریں بتانے والا) کاہن ہے اور نہ ہی تو مجنون ہے، کیا (مخالفین یہ بھی) کہتے ہیں کہ یہ (پیغمبر) شاعر ہے اور اس کے حق میں ہم زمانے کے حوادث کا انتظار کر رہے ہیں؟ تو (ان سے) کہہ دے کہ انتظار کئے جاؤ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں (کہ تم دنیا میں اپنی ہزیمت اور اسلام کا غلبہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے اور آخرت میں اپنے کفر کی وجہ سے عذاب کا سامنا کروگے) کیا ان (لوگوں کی) عقلیں انہیں اس طرح (کی لغو باتوں) کا حکم دیتی ہیں یا وہ (تعصب، ضد اور عناد کی بنا پر) سرکشی سے کام لے رہے ہیں؟ کیا یہ (مخالفین) کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) خود اس (پیغمبر) نے گھڑ لیا ہے؟ بات یہ ہے کہ وہ (اللہ پر صحیح) ایمان نہیں رکھتے اگر وہ سچے ہیں تو ایسا کلام بنالائیں'' (ا/ الف) ہم یہاں (محرف) بائبل کے متعلقہ سابقہ مضامین کے اہم مباحث کی تلخیص کے ساتھ بہت سی نئی معلومات اور نکات بھی پیش کرنا مناسب سمجھتے ہیں جن سے متعصب مستشرقین کو یہ سمجھنے میں یقیناً بہت آسانی رہے گی کہ اصل مجنون کون ہے؟ اگرچہ سابقہ تمام عنوانات اور مضامین کا مطالعہ اپنی جگہ پر نہایت مفید اور اہم ہے اور ہم نے زیرِ نظر نسبتاً طویل مضمون میں ان سابقہ عنوانات کا جابہ جا حوالہ بھی دیا ہے پھر بھی تنہا اسی ایک مضمون کا مطالعہ بھی طالبینِ حق کے لئے ان شاء اللہ العزیز بڑی حد تک چشم کشا ثابت ہوگا۔

ا۔ بہ حوالہ عقیدۂ کفار (الف): الف: ہمارے مسیحی بھائیوں نے خدا کی سچی توحید کے متعلق حضرت یسوع کی پاکیزہ تعلیم کو یکسر نظر انداز کر کے پولس (Paul) کے زیر اثر کفارے کا خلاف عقل عقیدہ اپنا رکھا ہے۔ ان کے خیال میں حضرت آدمؑ اور ان کی بیوی حضرت حوّا نے ممنوعہ درخت کا پھل کھا کر ایک سنگین گناہ کا ارتکاب کیا تھا، اگر خدا اس گناہ کو معاف کر دیتا تو عدل کے خلاف ہوتا، لہٰذا یہ گناہ نوع انسانی میں نسل در نسل منتقل ہوتا چلا آیا۔ چوں کہ خدا رحیم بھی ہے اس لئے ہزاروں سال کے بعد اس کی رحمت بالآخر جوش میں آ ہی گئی تو اس نے اپنے پیارے بیٹے یسوع مسیح (حضرت عیسیٰؑ) کو دنیا میں بھیجا تا کہ بیٹا سولی پر چڑھ کر نوع انسانی کے موروثی گناہ کا کفارہ ادا کرے۔ ہمارے یہ مسیحی بھائی خوب جانتے اور سمجھتے ہیں کہ عیسائیوں کے دنیوی عدالتی نظام میں ایسا نہیں ہوتا کہ مثلاً قاتل تو دادا ہو لیکن اس کے پوتے کو سزائے موت اس دلیل کی بنا پر سنا دی جائے کہ دادا کا کسی کو قتل کر ڈالنے کا جرم اس کے پوتے میں ایسے ہی سرایت کر گیا ہے جیسے دادا کی بیماری مثلاً ٹی۔ بی وغیرہ اس میں سرایت کر گئی ہے۔ لیکن مضحکہ خیز صورت

حال یہ ہے کہ پولس کی تعلیم کے زیر اثر ہمارے مسیحی بھائیوں نے رب العالمین کی عدالت کو ایسے ہی بے ہودہ فیصلوں کے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔ اگر پولس نے اس طرح کے مضحکہ خیز عقائد کسی جنونی کیفیت میں وضع نہیں کئے تو ایسے شخص کی خلافِ عقل اور خدا کی صریح توہین پر مشتمل ایسی لغو باتوں کی اندھی پیروی کرنے والوں کے متعلق کیا رائے قائم کی جاسکتی ہے؟ بتایئے مجنون کون ہے؟ یہاں یہ یاد رہے کہ انسان گناہ اپنے اختیار اور ارادے سے کرتا ہے جب کہ مرض غیر اختیاری ہوتا ہے اور اس کے اسباب بھی بسا اوقات غیر اختیاری ہوتے ہیں، لہٰذا یہ دعویٰ مضحکہ خیز ہے کہ جیسے کوئی متعدی مرض ماں باپ سے اولاد میں سرایت کر جاتا ہے اسی طرح آدمؑ وحوا کا گناہ از راہ وراثت ان کی اولاد میں منتقل ہوتا چلا آیا تھا۔

(ب) بالفرض اگر سب لوگوں میں حضرت آدمؑ وحوا کا مذکورہ مبینہ گناہ موروثی طور پر منتقل ہوتا چلا آرہا تھا اور سب انسان واقعی گناہ گار تھے تو ان کی بہ جائے حضرت یسوع مسیحؑ کو مصلوب کر دینا کون سا عدل ہے؟ یہاں مقروض کی یہ مثال دینا قطعاً بل کہ مضحکہ خیز حد تک غلط ہے کہ کسی مقروض کا قرض کوئی اور شخص ادا کرے تو مقروض بری الذمہ ہو جائے گا۔ مالی معاملات اور معاہدات (عقودِ مالیہ) کو اس طرح کے جرائم پر قیاس کرنا ہرگز درست نہیں۔ کیا عیسائیوں کے دنیوی نظام عدالت میں ایسا بھی ہوا کرتا ہے کہ قصور اگر مسٹر جان کا ہو کہ مثلاً اس نے کسی کو قتل کر دیا ہو اور سزا میں پھانسی پر مسٹر جارج کو لٹکا دیا جائے گو اس پر مسٹر جارج راضی بھی ہو؟ اگر ایسے فیصلے سب کے نزدیک مضحکہ خیز بلکہ انتہائی ظالمانہ بھی ہیں تو رب العالمین کی عدالت کو ایسے فیصلوں کے لئے مخصوص کرنا کسی جنونی کیفیت کے تحت ہی ممکن ہے ورنہ سلیم الطبع اور صحیح الفکر شخص تو سزا کے ایسے ظالمانہ اور بے ہودہ تصور ہی سے لرزہ براندام ہو جاتا ہے چہ جائے کہ وہ اسے ''عدل خداوندی'' سے تعبیر کرے۔ بتایئے مجنون کون ہے؟ ادھر بائبل ہی کی کتابِ امثال میں ہے ''شریر صادق کا فدیہ ہوگا اور دغاباز راست بازوں کے بدلے میں دیا جائے گا'' (۱/ب) اس سے تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ سب ہی انسان راست باز تھے اور حضرت یسوعؑ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) بہ مطابق کتاب امثال شریر اور دغاباز تھے اس لئے انہیں صادق اور راست باز انسانوں کے بدلے میں (مبینہ طور پر) سولی پر چڑھایا گیا۔ دوبارہ غور کر کے بتایئے کہ مجنون کون ہے؟

(ج) خدا نے اگر ایسا ہی نرالا انصاف کرنا تھا تو عقل سلیم کے مطابق اس کی بہترین صورت یہ تھی کہ خدا اپنے مبینہ بیٹے یسوع مسیحؑ کو حضرت آدمؑ وحوا کے ساتھ ہی جلد ہی یا بعد بھیج دیتا اور وہ اسی وقت مصلوب ہو کر آدمؑ وحوا کے مبینہ گناہ کا کفارہ ادا کر دیتے اور یہ گناہ سرے سے موروثی گناہ کی صورت میں

نوع انسانی میں منتقل ہی نہ ہونے پاتا، لیکن تعجب ہے کہ پولس کے زیر اثر (جھوٹے) مسیحی عقائد کے مطابق خدا کو ہزاروں سال بعد یاد آیا کہ اگر حضرت آدمؑ وحوا کے اس مبینہ گناہ کی تلافی نہ کی گئی تو بے چاری نوع انسانی کو یہ گناہ جہنم میں ڈال دے گا۔ چناں چہ تلافی اور کفارے کی مسیحی عقائد کے مطابق بہترین صورت یہ تجویز ہوئی کہ خدا نے اپنے پیارے بیٹے یسوع مسیح کو ان کے بدترین دشمنوں یعنی یہودیوں کے ذریعے خوب خوب تذلیل ورسوائی کے بعد مصلوب کرانے کا منصوبہ بنایا، لیکن غریب بیٹا سولی پر چڑھنے سے پہلے باپ (خدا) کو رو رو کر پکارتا رہا کہ ممکن ہو تو مجھ سے یہ کام نہ لیا جائے اور موت کا یہ پیالہ میرے منہ سے ٹال دیا جائے۔ اس ''مقدس'' منصوبے کو بہ خوشی پایہ تکمیل تک پہنچانے اور صبر واستقامت سے کام لینے کی بہ جائے یہ غریب اور بے بس بیٹا مبینہ طور پر چھپتا رہا، لیکن بالآخر پکڑا گیا۔ جب اسے سولی پر چڑھایا گیا تو وہ رو رو کر اپنے باپ (خدا) سے پوچھتا رہا ''ایلی ایلی لما شبقتنی'' اے میرے خدا، اے میرے خدا، تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟'' (ا/ ج) پھر بھی مہربان باپ (خدا) نے اسے مصلوب کرا کر ہی چھوڑا۔ ادھر اسی خدا کا فرمان بائبل کے پرانے عہد نامے کی کتاب حزقی ایل میں یوں مذکور ہے، ''جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی۔ بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ، صادق کی صداقت اسی کے لئے ہوگی اور شریر کی شرارت شریر کے لئے'' (۲/ الف) حیرت ہے کہ اسی خدا نے پوری نوع انسانی کے مبینہ موروثی گناہ کا بوجھ اکیلے حضرت یسوع مسیحؑ پر ڈال دیا۔ اب یا تو (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) خدا کو ناقابل اعتبار اور جھوٹا قرار دیا جائے یا ایسے عقائد گھڑنے والوں اور ان پر دل وجان سے ایمان رکھنے والوں کو مجنون قرار دیا جائے۔ خوب غور کر کے بتایا جائے کہ مجنون کون ہے؟

(د) یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ حضرت یسوعؑ کے پیدا ہونے اور مبینہ طور پر مصلوب ہونے سے پہلے ہزاروں برس تک جو لوگ پیدا ہو کر مرتے رہے وہ آرام میں تھے یا عذاب میں مبتلا تھے؟ اگر وہ آرام میں تھے تو حضرت یسوعؑ کو ناحق مصلوب کرانے کی ضرورت کیا تھی؟ اگر وہ عذاب میں تھے تو ان بے چاروں کا کیا قصور تھا کہ وہ سالہا سال تک تکلیف میں رہے، جب کہ حضرت یسوعؑ کے زمانے کے اور بعد کے لوگ چٹکی بھر میں مبینہ موروثی گناہ سے نجات پا گئے۔ عیسائی حضرات یہاں برزخی زندگی کا انکار نہیں کر سکتے۔ کتاب یرمیاہ میں ہے۔ ''خداوند یوں فرماتا ہے کہ رامہ میں ایک آواز سنائی دی۔ نوحہ اور زار زار رونا۔ راخل اپنے بچوں کو رو رہی ہے، وہ اپنے بچوں کی بابت تسلی پذیر نہیں ہوتی کیوں کہ وہ نہیں ہیں'' (۲/ ب) حضرت یرمیاہ کے زمانے میں بخت نصر کے حملے میں ہزاروں اسرائیلی مقتول واسیر ہوئے

تھے۔ راخل بنی اسرائیل کے جد امجد حضرت یعقوبؑ (اسرائیل) کی زوجہ محترمہ کا اسم گرامی ہے۔ بخت نصر کے حملے میں مقتول واسیر ہونے والے اسرائیلیوں کی بڑی تعداد حضرت یعقوبؑ کی اسی بیوی کی نسل سے تھی۔ راخیل تو حضرت یرمیاہ کے زمانے سے سیکڑوں برس پہلے فوت ہو چکی تھی۔ کتاب یرمیاہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ سیکڑوں برس پہلے فوت ہونے والی راخل بخت نصر کے حملے میں تکلیف اٹھانے والی اپنی اولاد پر نوحہ کر رہی تھی، پس بہ مطابق بائبل اس دنیا سے رخصت ہونے والوں کی برزخی زندگی ثابت ہوگئی۔ نیز عیسائی عقائد کے مطابق حضرت یسوعؑ اپنی مبینہ مصلوبیت کے بعد (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) تین دن تک جہنم میں بھی رہے تھے۔ چناں چہ عیسائیت پر شہرۂ آفاق عربی کتاب ''اظہار الحق'' کے مصنف مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کا ہم عصر پادری فانڈر اپنی کتاب حل الاشکال میں لکھتا ہے ''سچی بات تو یہ ہے کہ مسیحی عقائد میں یہ چیز موجود ہے کہ عیسیٰ داخل جہنم ہوئے اور تیسرے روز نکل آئے اور آسمان پر چڑھ گئے'' (۲/ ج) ادھر اناجیل مثلاً انجیل مرقس میں ہے کہ مبینہ مصلوبیت اور قبر میں تدفین کے بعد جب حضرت یسوعؑ دوبارہ جی اٹھے تھے تو وہ آسمان پر اٹھالئے گئے تھے۔ چناں چہ انجیل مذکور میں ہے ''غرض خداوند یسوع ان (حواریوں) سے کلام کرنے کے بعد آسمان پر اٹھایا گیا اور خدا کی داہنی طرف بیٹھ گیا'' (۳/ الف) اب عیسائی حضرات ہی یہ گتھی سلجھائیں کہ حضرت یسوعؑ کن ایام میں تین دن کے لئے (معاذ اللہ) جہنم میں گئے تھے۔ عروج آسمانی کے بعد تو وہ بہ مطابق انجیل مرقس خدا کی داہنی جانب بیٹھ گئے تھے۔ اگر اس کے بعد وہ (معاذ اللہ) تین دن کے لئے جہنم میں گئے تھے تو اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ خدا نے پہلے تو انہیں اپنی داہنی جانب بٹھانے کی نعمت سے سرفراز فرمایا پھر بعد میں انہیں تین دن کے لئے (معاذ اللہ) جہنم کے حوالے کر دیا۔ لامحالہ پادری فانڈر کی طرح عیسائیوں کو یہ ماننا پڑے گا کہ جن ایام میں اپنی مبینہ مصلوبیت کے بعد حضرت یسوعؑ دوبارہ جی اٹھنے سے پہلے قبر میں پڑے رہے تھے ان ہی دنوں وہ مسیحی عقائد کے مطابق (معاذ اللہ) جہنم میں گئے تھے اور تین دن جہنم میں رہنے کے بعد بہ قول پادری فانڈر آسمان پر چڑھ گئے تھے۔ نیز بہ مطابق انجیل لوقا حضرت یسوعؑ نے اپنے ساتھ مصلوب ہونے والے ساتھی کو یہ بشارت سنائی تھی ''تو آج ہی میرے ساتھ فردوس میں ہوگا'' (۳۔ ب) اگر قیامت کے وقوع سے پہلے مُردوں کے لئے برزخی زندگی نہیں تو حضرت یسوعؑ نے اپنے ساتھ سولی پانے والے ساتھی کو کس فردوس کی بشارت دی تھی؟

پس عالمِ دنیا اور عالمِ آخرت کے درمیان عالمِ برزخ خود مسیحی عقائد کی رو سے بھی ثابت ہو گیا لہٰذا

وہ برزخی زندگی اور اس کے راحت والم کا انکار کر کے ہمارے اس سوال سے پیچھا نہیں چھڑا سکتے کہ حضرت یسوعؑ کی ولادت مبارکہ اور مبینہ مصلوبیت سے پہلے کی ہزاروں برس کی مدت میں جو لوگ مرتے رہے، اگر وہ اپنی برزخی زندگی میں آرام میں تھے تو مصلوبیت مسیح کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اسی طرح کا آرام انہیں عالم آخرت میں بھی حاصل ہوسکتا تھا اگر وہ تکلیف میں تھے تو ان بے چاروں کا کیا قصور تھا کہ وہ سالہا سال تکلیف اٹھاتے رہے جب کہ حضرت یسوعؑ کے زمانے کے اور بعد کے لوگ چٹکی بھر میں مبینہ مصلوبیت مسیح کی برکت سے موروثی گناہ سے نجات پا گئے؟ عیسائی حضرات خوب غور وفکر کے بعد فیصلہ فرمائیں کہ مجنون کون ہے؟ کیا ان کے خیال میں ''خداوندی عدل'' کا یہی معیار ہے؟

(ھ) عقیدۂ کفارہ کے ضمن میں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ وحوا سے نوع انسانی میں منتقل ہونے والے مبینہ موروثی گناہ سے ان گناہ گار انسانوں میں نیک کام کرنے کی صلاحیت معدوم ہوگئی تھی یا موجود تھی؟ اگر یہ صلاحیت ختم ہوگئی تھی تو مثلاً انجیل متی میں حضرت یسوعؑ سے متعلق اس طرح کے مضامین پر غور کیجئے ''اس وقت سے یسوع نے منادی کرنا اور یہ کہنا شروع کیا کہ توبہ کرو کیوں کہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے'' (۳۔ ج) اور اسی انجیل متی میں حضرت یسوعؑ کا فرمان ہے ''پس جب تو خیرات کرے تو اپنے آگے نرسنگا نہ بجھوا'' (۴۔ ب) نیز ارشاد ہے ''اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور جہاں چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں بل کہ اپنے لئے آسمان پر مال جمع کرو۔'' (۴۔ ج) نیز ارشاد ہے ''پس جو کوئی آدمیوں کے سامنے میرا اقرار کرے گا میں بھی اپنے باپ کے سامنے جو آسمان پر ہے اس کا اقرار کروں گا'' (۵۔ الف) کیا توبہ کرنا، خیرات کرنا، روزہ رکھنا، زمین پر مال جمع کرنے کی بہ جائے آسمان پر مال جمع کرنا، حضرت یسوعؑ کے سچے ہونے کا اقرار کرنا وغیرہ حضرت یسوعؑ کے مذکورہ احکام وفرامین نیکی کے کام ہیں یا (معاذ اللہ) برے کام ہیں؟ اگر برے کام ہیں تو کیا حضرت یسوعؑ (معاذ اللہ) برے کاموں کی تعلیم دینے کے لئے تشریف لائے تھے؟ اگر یہ نیک کام ہیں اور ادھر لوگوں کی نیک کام کرنے کی قوت ارادی اور آزادی واقعی مسلوب اور معدوم تھی تو وہ حضرت یسوعؑ کے مذکورہ احکام پر کیسے عمل کر سکتے تھے؟ بل کہ اس صورت میں لوگوں کو نیکی کی تعلیم دینا قطعاً بے مقصد اور بے کار ٹھہرتا ہے۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے دونوں ٹانگوں سے معذور کسی اپاہج کو تیز دوڑ لگانے کا حکم دیا جائے یا کسی مادرزاد اندھے کو یہ حکم دیا جائے کہ وہ کسی خوبصورت خاتون کو بری نظر سے نہ دیکھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ مذکورہ نوعیت کے نیک کام کرنے کی لوگوں کو آزادی تو حاصل تھی لیکن مبینہ مصلوبیت مسیح

کے ذریعے موروثی گناہ کا کفارہ ادا ہوئے بغیر خدا کے نزدیک ان نیک کاموں کی کوئی قدر و قیمت ہی نہیں تھی تو یہ قول بھی مضحکہ خیز ہے۔ کیوں کہ اس صورت میں بھی لوگوں کو نیک کاموں کا حکم دینا بے کار مشغلہ ٹھہرتا ہے، نیز مثلاً بائبل کی کتاب حزقی ایل کے اس مضمون سے بھی اس باطل تصور کی بھرپور نفی ہوتی ہے ''لیکن اگر شریر اپنے تمام گناہوں سے جو اس نے کئے ہیں باز آئے اور میرے سب آئین پر چل کر جو جائز اور روا ہے کرے تو وہ یقیناً زندہ رہے گا اور نہ مرے گا۔ وہ سب گناہ جو اس نے کئے ہیں اس کے خلاف محسوب نہ ہوں گے وہ اپنی راست بازی میں جو اس نے کی ہے زندہ رہے گا'' (۵/ ب) ادھر انجیل لوقا میں بھی حضرت یسوعؑ کا ارشاد ہے'' میں تم سے کہتا ہوں کہ اسی طرح ننانوے راست بازوں کی نسبت جو توبہ کی حاجت نہیں رکھتے ایک توبہ کرنے والے گناہ گار کے باعث آسمان پر زیادہ خوشی ہوگی'' (۵/ ج) نیز بہ مطابق اناجیل مریم مگدلینی ایک فاحشہ اور بدچلن عورت تھی لیکن اسے حضرت یسوعؑ سے عقیدت تھی۔ اس نے ایک بھری محفل میں حضرت یسوعؑ کے پاؤں کو رو رو کر چومنا شروع کر دیا اور پھر اپنے بالوں سے انہیں پونچھا اور صاف کیا۔ اس نے آپ کے سر مبارک اور پاؤں پر قیمتی عطر بھی انڈیلا۔ اس پر حضرت یسوعؑ نے اسے فرمایا کہ تیرے ایمان نے تجھے بچالیا ہے، تیرے سب گناہ معاف ہوئے، تو سلامت چلی جا (۶/ الف) اور یہ واقعہ مبینہ مصلوبیت سے بہت پہلے کا ہے۔ ان مضامین سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ مبینہ موروثی گناہ کی وجہ سے نیک کاموں کے لئے لوگوں کی آزادی کے چھن جانے یا نیکیوں کے غیر موثر ہونے کا تصور قطعاً باطل ہے۔ جب خدا لوگوں کے ایمان، توبہ، خیرات، روزے اور نیک اعمال کو مبینہ مصلوبیت سے پہلے بھی قبول کرتا تھا تو مبینہ مصلوبیت پر عقیدۂ کفارہ کی بنیاد رکھنا سراسر غیر ضروری، بے مقصد اور خلافِ عقل قرار پاتا ہے تو اس پر ایمان رکھنے والے لوگ ہی خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ فرمائیں کہ مجنون کون ہے؟

(و) عقیدۂ کفارہ کے ضمن میں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ حضرت یسوعؑ سے پہلے جو ہزاروں انبیائے کرام تشریف لائے تو کیا وہ خود بھی نجات یافتہ تھے یا نہیں تھے؟ اگر وہ نجات یافتہ تھے تو مصلوبیتِ یسوعؑ کی کیا ضرورت تھی؟ اگر وہ نجات یافتہ نہیں تھے بل کہ (معاذ اللہ) مبینہ موروثی گناہ میں لتھڑے ہوئے تھے تو وہ دوسروں کی اصلاح اور ان کی نجات کا کیا بندوبست کر سکتے تھے؟ جب عقیدۂ کفارہ خلاف عقل اور باطل ثابت ہو رہا ہے تو اس پر ایمان رکھنے والے ہی بتائیں کہ مجنون کون ہے؟

(ز) یہاں یہ سوال بھی جواب طلب ہے کہ حضرت یسوعؑ کی مبینہ مصلوبیت کے موقع پر ان میں

خدائی موجود تھی یا نہیں تھی ؟ اگر موجود تھی تو عیسائیوں کے تینوں خدا (باپ، بیٹا، روح القدس) کو (معاذ اللہ) مصلوب ماننا ہوگا، کیوں کہ عیسائی تثلیث ایک میں تین اور تین میں ایک کا یہ لازمی نتیجہ ہے۔ نیز اس صورت میں مبینہ مصلوبیت کے موقع پر حضرت یسوعؑ کس خدا کو ایک بے بس اور عاجز انسان کی طرح پکار رہے تھے، ''ایلی ایلی لما شبقتنی، یعنی اے میرے خدا، اے میرے خدا، تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟'' (۶/ب) اگر یسوع مسیح میں اس وقت خدائی موجود نہیں تھی تو سولی پر ابن اللہ (خدا کے بیٹے) کو نہ ہوئی بل کہ ابن آدم کو ہوئی۔ اس مقصد کے لئے کسی بھی ابن آدم کو مصلوب کرا دیا جاتا اس میں حضرت یسوعؑ کی تخصیص کیا معنی رکھتی ہے؟ اگر کہا جائے کہ حضرت یسوعؑ معصوم تھے اور نوع انسانی کے دیگر سب ہی افراد آدم وحوا سے ان کی نسل میں منتقل ہونے والے موروثی گناہ میں لتھڑے ہوئے تھے تو یہ دعویٰ کئی وجوہ سے نا قابل قبول ہے۔ اولاً حضرت یسوعؑ بھی آدم وحوا ہی کی نسل سے تو ہیں اور عیسائیوں کی موجودہ اناجیل میں انہوں نے بامرہ اپنے آپ کو ابن آدم کہا ہے تو یہ نام نہاد گناہ خود حضرت یسوعؑ میں کیوں نہ منتقل ہوا؟ اگر چہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے لیکن ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریمؑ تو حضرت آدم وحوا ہی کی اولاد سے ہیں اور عیسائیوں کے نزدیک موروثی گناہ صرف مردوں ہی میں نہیں بل کہ عورتوں میں بھی منتقل ہوتا رہا ہے چناں چہ پولس لکھتا ہے ''اور آدم نے فریب نہیں کھایا بل کہ عورت فریب کھا کر گناہ میں پڑ گئی''، (۶/ج) جب مبینہ موروثی گناہ کا اصل اور اولیں سبب عورت ہے تو حضرت یسوعؑ ایک عورت ہی کے بطن سے تو پیدا ہوئے۔ اگر پولس کے یہ خود ساختہ عقائد جو عیسائیوں نے اختیار کر رکھے ہیں، صحیح ہیں تو حضرت یسوعؑ کو معصوم کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ لازماً موروثی گناہ کا ان میں منتقل ہونا بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ ثانیاً کیا خدا اس پر قادر تھا کہ آدم وحوا کے مبینہ گناہ کو ان کی نسل میں سرے سے منتقل ہی نہ ہونے دیتا یا، قادر نہیں تھا؟ اگر قادر تھا اور اسی لئے یہ گناہ حضرت یسوعؑ میں منتقل نہیں ہوا تھا تو خدا دوسروں میں بھی اس گناہ کو منتقل نہ ہونے دیتا اور اگر قادر نہیں تھا تو لازماً یہ گناہ (معاذ اللہ) حضرت یسوعؑ میں بھی منتقل ہوا۔ ثالثاً پولس نے حضرت یسوعؑ کو اپنی غلیظ زبان سے (معاذ اللہ) ملعون قرار دیتے ہوئے یوں لکھا ہے ''مسیح تو ہمارے لئے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا'' (۷/الف) پولس یہاں کتاب استثناء کے اس مضمون کا حوالہ دے رہا ہے اور ''اگر کسی نے ایسا گناہ کیا ہو جس سے اس کا قتل واجب ہو اور تو مار کر اسے درخت سے ٹانگ دے تو اس کی لاش رات بھر درخت پر لٹکتی نہ رہے بل کہ تو اسی دن اسے دفن کرنا کیوں کہ جسے پھانسی ملتی ہے وہ خدا کی طرف سے ملعون ہے'' (۷/ب) دیکھئے کتاب

استثناء میں ملعون تو اس شخص کو قرار دیا گیا ہے جس کا کسی گناہ کی بنا پر قتل واجب ہو۔ اگر حضرت یسوعؑ (معاذ اللہ) خود گناہ گار تھے یا مبینہ طور پر لوگوں کے گناہ اپنے اوپر لاد کر (معاذ اللہ) گناہ گار ہو گئے تھے تو عیسائی انہیں کس منہ سے معصوم قرار دیتے ہیں؟ رابعاً انجیل یوحنا کے مطابق کائفا نام کا ایک سردار کاہن نبی تھا اور اس نے ازراہ نبوت یہ کہا تھا کہ یسوع قوم کے واسطے مرے گا (۷/ ج) یعنی کائفا نبی ہرگز یہ عقیدہ نہیں رکھتا تھا کہ یسوعؑ ساری دنیا کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لئے آئے ہیں وہ یہ کہتا تھا کہ یسوعؑ صرف اور صرف اپنی قوم کے لئے جان دیں گے۔ بعد میں بہ مطابق اناجیل اسی کائفا نے حضرت یسوعؑ پر کفر کا فتویٰ لگایا اور اظہار نفرت کے طور پر اپنے کپڑے پھاڑے۔ اسی کائفا کی موجودگی میں اسی کے اشارے پر وہاں موجود لوگوں نے (مُحرف) اناجیل کی (جھوٹی) روایت کے مطابق حضرت یسوعؑ کے چہرے پر تھوکا، انہیں مکے مارے، ان کی خوب خوب تذلیل کی اور بعض نے طمانچے مار کر پوچھا اے مسیح! ہمیں نبوت سے بتا تجھے کس نے مارا؟ (۸/ الف) عیسائی حضرات حضرت یسوعؑ کو خدا اور خدا کا بیٹا مانتے ہیں یعنی کائفا نبی نے اپنے خدا یعنی خداوند یسوعؑ پر کفر کا فتویٰ لگایا، اسے سزائے موت سنائی، لوگوں سے اس کی خوب تذلیل کرائی۔ اگر بہ قول نصاریٰ حضرت یسوعؑ سے اس وقت خدائی (Divine Element) عنصر نکل گیا تھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جونہی حضرت یسوعؑ سے خدائی عنصر نکلا تو ان کی زبان پر (معاذ اللہ) کفریہ کلمات جاری ہو گئے کہ کائفا نبی کو ان پر نہ صرف کفر کا فتویٰ لگانا پڑا بل کہ اظہار نفرت کے لئے اسے اپنے کپڑے بھی پھاڑنے پڑے پھر بھرے مجمع میں حضرت یسوعؑ کی (معاذ اللہ) بھرپور تذلیل کروانے کے بعد ان کے خلاف سزائے موت کا فیصلہ سنانا پڑا۔ ان حالات میں عیسائی حضرات یہ فیصلہ کرنے کے ساتھ ساتھ کہ مجنون کون ہے، یہ بھی بتائیں کہ وہ کس منہ سے حضرت یسوعؑ کو معصوم قرار دیتے ہیں؟ خامساً بائبل کے بعض (خبیث) مضامین کی رو سے خدا (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) جھوٹا، دغاباز اور عہد شکن بھی ہے، مثلاً پرانے عہد نامے کی کتاب یرمیاہ میں حضرت یرمیاہ کو خدا کے متعلق یہ کہتے ہوئے دکھایا گیا ہے، تب میں نے کہا افسوس اے خداوند خدا! یقیناً تو نے لوگوں اور یروشلم کو یہ کہہ کر دغا دی کہ تم سلامت رہو گے، حال آں کہ تلوار جان تک پہنچ گئی ہے" (۸/ ب) کتاب زبور میں حضرت داؤدؑ کو خدا کی (معاذ اللہ) عہد شکنی کی شکایت کرتے ہوئے یوں دکھایا گیا ہے "تو نے اپنے خادم کے عہد کو رد کر دیا تو نے اس کے تاج کو خاک میں ملا دیا" (۸/ ج) اور کتاب حزقی ایل میں ہے، "اور اگر نبی فریب کھا کر کچھ کہے تو میں خداوند نے اس نبی کو فریب دیا اور میں اپنا ہاتھ اس پر چلاؤں گا اور اُسے اپنے

اسرائیلی لوگوں میں سے نابود کردوں گا''۔ (۹/ الف) کتاب سلاطین اول میں ہے ''لیکن ایک روح نکل کر خداوند کے سامنے کھڑی ہوئی اور کہا میں اسے (اخی اب شاہ اسرائیل) کو بہکاؤں گی۔ خداوند نے اس سے پوچھا کس طرح؟ اس نے کہا میں جا کر اس کے سب نبیوں کے منہ میں جھوٹ بولنے والی روح بن جاؤں گی۔ اس نے کہا تو اسے بہکا دے گی اور غالب بھی ہوگی روانہ ہو جا اور ایسا ہی کر۔ سو دیکھ خداوند نے تیرے ان سب نبیوں کے منہ میں جھوٹ بولنے والی روح ڈالی ہے اور خداوند نے تیرے حق میں بدی کا حکم دیا ہے'' (۹/ ب) اسی کتاب کے مذکورہ مضمون کے سیاق وسباق سے معلوم ہو رہا ہے کہ جن نبیوں کے منہ میں اخی اب کو دھوکہ دینے کے لئے خدا نے (معاذ اللہ) جھوٹ بولنے والی روح ڈالی تھی ان کی تعداد چار سو تھی (۹/ ج) بائبل کے مذکورہ مضامین سے ظاہر ہو رہا ہے کہ خدا (معاذ اللہ) جھوٹا، عہد شکن اور دغا باز ہے۔ ہمارے مسیحی بھائیوں کے خیال میں حضرت یسوعؑ بھی خدا اور خدا کے بیٹے ہیں لہٰذا بائبل کے ان غلیظ مضامین کی رو سے لازماً خدا کے مذکورہ اوصاف (معاذ اللہ) حضرت یسوعؑ میں بھی ماننے پڑیں گے۔ بائبل کے پرانے اور نئے عہد نامے کے اور بھی کئی مضامین ایسے ہیں جو حضرت یسوعؑ کو (معاذ اللہ) غیر معصوم قرار دے رہے ہیں، لہٰذا عیسائیوں کا یہ دعویٰ ہرگز صحیح ثابت نہ ہوا کہ چونکہ حضرت یسوعؑ معصوم ہیں اس لئے نوع انسانی کے مبینہ موروثی گناہ کا کفارہ انہوں نے مصلوب ہو کر ادا کیا۔ بائبل کے ایسے مضامین کو مقدس اور الہامی قرار دینے والے خود ہی بتائیں کہ مجنون کون ہے؟

۲۔ بہ حوالہ مبینہ مصلوبیت مسیحؑ: جس (مفروضہ) مصلوبیت مسیحؑ پر عقیدہ کفارہ استوار کیا گیا ہے وہ اناجیل کے متعلقہ مضامین کے کھلے تضادات اور دیگر قرائن کی بنا پر سراسر ایک افسانوی داستان ہے۔ اناجیل کے مؤلفین اس داستان کی جزئیات پر متفق اور یک زبان نہیں ہیں، مثلاً جس صلیب پر حضرت یسوعؑ کو مبینہ طور پر مصلوب کیا گیا تھا وہ انجیل یوحنا کے مطابق شروع سے آخر تک خود حضرت یسوعؑ نے اٹھائی تھی جب کہ دیگر اناجیل کے تینوں مؤلفین متی، لوقا اور مرقس کے خیال میں یہ صلیب شمعون نام کے ایک شخص نے اٹھائی تھی (۱۰/ الف) اور مثلاً (انگریزی) گڈ نیوز بائبل میں مبینہ مصلوبیت کا وقت صبح ۹ بجے کا بتایا گیا ہے لیکن اسی بائبل کی انجیل یوحنا میں ہے کہ تقریباً دوپہر کے وقت حضرت یسوعؑ رومی گورنر پیلاطس کے دربار میں تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ مصلوبیت بعد میں ہوئی (۱۰/ ب) اور مثلاً انجیل مرقس کے مطابق حضرت یسوعؑ کا آخری عشائیہ یعنی رات کا کھانا یہودیوں کی عید الفسح کے روز تھا، جب کہ یوحنا کا دعویٰ یہ ہے کہ مبینہ مصلوبیت عید الفسح کی آمد سے پہلے ہوگئی تھی (۱۰/ ج) اور مثلاً رومی گورنر پیلاطس

نے جو عنوان لکھ کر صلیب پر رکھا تھا انجیل متی کے مطابق اس کے الفاظ یہ تھے ''یہ یہودیوں کا بادشاہ یسوع ہے''۔ انجیل مرقس کے مطابق الفاظ یہ تھے یہودیوں کا بادشاہ۔ انجیل لوقا کے بہ مطابق الفاظ یوں تھے یہ یہودیوں کا بادشاہ ہے۔ اور انجیل یوحنا کے مطابق عبارت یوں تھی ''یسوع ناصری یہودیوں کا بادشاہ'' (۱۱/ الف) اور مثلاً بہ مطابق انجیل متی حضرت یسوعؑ کی جمعہ کے روز مبینہ مصلوبیت اور تدفین کے بعد اتوار کو علی الصبح آپ کی پیروکار مریم مگدلینی اور دوسری مریم قبر پر پہنچیں تو خدا کا فرشتہ نازل ہوا اور قبر کا پتھر لڑھک گیا، جس پر فرشتہ بیٹھ گیا۔ مگر بہ مطابق انجیل مرقس مریم نام کی مذکورہ دونوں خواتین کے ساتھ سلومی نام کی خاتون بھی تھی۔ جب وہ قبر پر پہنچیں تو پتھر پہلے ہی لڑھکا ہوا تھا اور ان خواتین نے قبر کے اندر داخل ہو کر ایک سفید پوش جوان (فرشتے) کو قبر کے اندر دائیں جانب بیٹھا ہوا پایا۔ بہ مطابق انجیل لوقا جب یہ خواتین قبر کے اندر داخل ہوئی تھیں تو وہاں حضرت یسوعؑ کا جسم نہ پا کر حیران و پریشان رہ گئیں تو یکا یک انہوں نے اپنے پاس سفید لباس میں ملبوس دو اشخاص کو دیکھا جو بیٹھے ہوئے نہیں بل کہ کھڑے تھے۔ ادھر بہ مطابق انجیل یوحنا ان دو فرشتوں میں سے ایک قبر کے سرہانے اور دوسرا پاؤں کی جانب بیٹھا ہوا تھا۔ (۱۱/ ب) اور مثلاً بہ مطابق انجیل متی مریم مگدلینی اور دوسری مریم قبر پر پو پھٹنے کے وقت پہنچی تھیں، جب کہ بہ قول مرقس اس وقت سورج نکلا ہوا تھا، اور بہ قول یوحنا اس وقت ابھی اندھیرا تھا۔ (۱۱/ ج) اور مثلاً بہ قول لوقا مریم مگدلینی، جیمس کی ماں مریم اور دوسری عورتیں قبر پر آئی تھیں مگر بہ قول یوحنا مریم مگدلینی تن تنہا وہاں پہنچی تھی۔ (۱۲/ الف) اور مثلاً بہ مطابق انگریزی بائبل کنگ جیمس ورژن حضرت یسوعؑ کی مبینہ مصلوبیت سے پہلے یہودی فقیہوں اور فریسیوں (سخت گیر مذہبی جنونیوں) کی ایک جماعت نے ان سے مطالبہ کیا تھا کہ اے استاد! ہم تجھ سے ایک نشان یعنی معجزہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ جواب میں حضرت یسوعؑ نے فرمایا کہ اس زمانے کے برے اور زنا کار لوگوں کو یوناہ نبی (حضرت یونسؑ) کے نشان کے سوا اور کوئی نشان نہیں دکھایا جائے گا، جیسے حضرت یوناہ تین دن اور تین رات (Three days and three nights) مچھلی کے پیٹ میں رہے تھے، اسی طرح میں ابن آدم بھی تین دن اور تین رات (Three days and three nights) تک زمین کے پیٹ میں رہوں گا۔ (۱۲/ ب) ادھر حضرت یسوعؑ کی مصلوبیت جمعہ کے روز ہوئی اور شام کے وقت یوسف نامی ایک شخص نے رومی گورنر پیلاطس سے ان کی نعش مانگی اور ان کی تجہیز و تکفین کی۔ (۱۲/ ج) یعنی آپ کی تدفین جمعہ کا دن گزرنے کے بعد سنیچر کی رات کو ہوئی اور پھر بائبل کی اصطلاح کے مطابق ہفتے کے پہلے دن یعنی اتوار کے دن سورج نکلنے سے پہلے آپ کی نعش قبر سے غائب

ہوگئی (۱۳/ الف) یوں آپ ہرگز تین دن اور تین رات تک قبر کے اندر نہیں رہے بل کہ صرف ایک دن اور دو رات رہے۔ مزید برآں آپ کا اپنے مخالفین سے وعدہ تھا کہ میں تین دن اور تین رات تک زیر زمین رہنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کی نشانی دکھاؤں گا، لیکن دوبارہ جی اٹھنے کے بعد ہرگز آپ اپنے ان مخالفین کے سامنے ظاہر نہیں ہوئے اور مبینہ وعدہ پورا نہیں فرمایا۔ اگر مخالفین کی بڑی تعداد کے سامنے آپ برملا ظاہر ہوئے ہوتے تو قیل وقال کے تمام دروازے بند ہوجاتے اور شکوک وشبہات کے تمام بادل پوری طرح چھٹ جاتے، اور بہ مطابق انجیل متی یہودی یہ جھوٹی خبر پھیلانے میں ہرگز کامیاب نہ ہوسکتے کہ محافظوں کو غافل پاکر یسوعؑ کے شاگرد ان کی لاش چرا کر لے گئے تھے۔ (۱۳/ ب) یہاں یہ بھی یاد رہے کہ یوناہ نبیؑ تو مچھلی کے پیٹ کے اندر مردہ حالت میں نہیں بل کہ زندہ موجود رہے تھے، جب کہ بہ مطابق اناجیل حضرت یسوعؑ قبر میں تین دن زندہ ہونے کی حالت میں موجود نہیں رہے تھے۔ مبینہ مصلوبیت کی کہانی کے تضادات کی مثالوں کا ہم نے انبار لگادیا ہے۔ مزید تضادات کو بھی ہم نے اس سلسلہ مضامین میں ''مبینہ مصلوبیت مسیحؑ'' کے عنوان کے تحت بیان کیا ہے۔ (۱۳/ ج) قرآن کریم کے متعلقہ مضامین کو سردست نظر انداز بھی کردیا جائے تو بھی اناجیل کے مذکورہ مضامین سے مصلوبیت مسیحؑ اگر افسانوی داستان نہیں تو بھی سخت مشکوک اور مشتبہ تو یقیناً ٹھہرتی ہے۔ اور قرآن کریم نے بات ایک طرف لگادی کہ حضرت یسوعؑ سرے سے مقتول ومصلوب ہوئے ہی نہیں۔ سورہ نساء میں ہے کہ نہ تو انہوں نے اس (عیسیٰؑ) کو قتل کیا اور نہ ہی اسے سولی دی بل کہ انہیں مشابہت (اور شبہ) میں ڈال دیا گیا۔ اور جو لوگ اس (عیسیٰؑ) کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ اس کے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں، انکل وگمان کی پیروی کے سوا ان کے پاس قطعاً کوئی (یقینی) علم نہیں اور یہ یقینی بات ہے کہ انہوں نے اس (عیسیٰؑ) کو قتل نہیں کیا، بل کہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا۔ اور اللہ غالب (اور) حکمت والا ہے (۱۴/ الف) جب عقیدہ کفارہ کی دیگر بنیادوں کی طرح مصلوبیت مسیحؑ والی بنیاد بھی منہدم ہوگئی تو عقیدۂ کفارہ بھی اپنی موت آپ مرگیا۔ اب تو عیسائیوں کے پاس اس دور از کار تاویل کی بھی گنجائش باقی نہ رہی کہ حضرت یسوعؑ کی مبینہ مصلوبیت سے پہلے بھی لوگوں کو اگرچہ ایمان اور اعمال صالحہ کی آزادی حاصل تھی لیکن نیک اعمال خدا کے نزدیک تب ہی قبول ہوسکتے تھے جب کہ وہ یہ ایمان بھی رکھتے ہوں کہ یسوعؑ کو کسی وقت دنیا میں آکر لوگوں کے گناہوں کی خاطر مصلوب ہونا پڑے گا۔ جب مصلوبیت کا واقعہ ہی جھوٹا ہے تو مذکورہ تاویل بھی محض خود فریبی ہے۔ نیز اس صورت میں حضرت یسوعؑ سے پہلے آنے والے تمام انبیائے کرام یقیناً کھلے، واشگاف اور غیر مبہم

الفاظ میں برملا اور بار بار لوگوں کو کفارے کے اس عقیدے کی تعلیم دیتے۔ خود حضرت یسوعؑ بھی کھلم کھلا اور بار بار لوگوں کو کفارے کے اس عقیدے کی صاف صاف الفاظ میں تعلیم دیتے لیکن اس کے عین برعکس مثلاً انجیل لوقا میں ہے ''لیکن جس وقت سب لوگ ان سب کاموں پر جو وہ کرتا تھا تعجب کر رہے تھے اس نے اپنے شاگردوں سے کہا، تمہارے کانوں میں باتیں پڑی رہیں، کیوں کہ ابن آدم آدمیوں کے ہاتھ میں حوالہ کئے جانے کو ہے لیکن وہ اس بات کو سمجھتے نہ تھے بل کہ یہ ان سے چھپائی گئی تا کہ اسے معلوم نہ کریں اور اس بات کی بابت اس سے پوچھتے ہوئے ڈرتے تھے'' (۱۴/ ب) نیز اسی انجیل لوقا میں ہے ''پھر اس نے ان بارہ کو ساتھ لے کر ان سے کہا کہ دیکھو ہم یروشلم کو جاتے ہیں اور جتنی باتیں نبیوں کی معرفت لکھی گئی ہیں ابن آدم کے حق میں پوری ہوں گی، کیوں کہ وہ قوم والوں کے حوالہ کیا جائے گا اور لوگ اس کو ٹھٹھوں میں اڑائیں گے اور بے عزت کریں گے اور وہ تیسرے دن جی اٹھے گا لیکن انہوں نے ان میں سے کوئی بات نہ سمجھی اور یہ قول ان پر پوشیدہ رہا اور ان باتوں کا مطلب ان کی سمجھ میں نہ آیا'' (۱۴/ ج) اگر حضرت یسوعؑ واقعی نوع انسانی کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لئے مصلوب ہونے کو بھیجے گئے تھے تو حضرت یسوعؑ نے کھل کر اس عقیدے کی تبلیغ کیوں نہ کی؟ آپ نے برملا یہ تعلیم کیوں نہ دی کہ آدم وحوا کا مبینہ گناہ نوع انسانی میں منتقل ہوتا چلا آرہا تھا؟ کیوں ایسی صورت حال پیدا ہوئی کہ حواریوں کو حضرت یسوعؑ کی یہ بات سمجھ میں نہ آئی اور کیوں یہ ان سے چھپائی جارہی تھی اور صحیح عقائد کے متعلق حضرت یسوعؑ سے کوئی بات پوچھنے میں یہ حواری کیوں ڈرتے رہتے تھے؟ مزید برآں اسی انجیل لوقا میں ہے'' اس نے ان (حواریوں) سے کہا مگر اب جس کے پاس بٹوہ ہو وہ اسے لے اور اسی طرح جھولی بھی اور جس کے پاس نہ ہو وہ اپنی پوشاک بیچ کر تلوار خریدے، کیوں کہ میں تم سے کہتا ہوں کہ یہ جو لکھا ہے کہ وہ بدکاروں میں گنا گیا اس کا میرے حق میں پورا ہونا ضرور ہے اس لئے کہ جو کچھ مجھ سے نسبت رکھتا ہے وہ پورا ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اے خداوند! دیکھ یہاں دو تلواریں ہیں۔ اس نے ان سے کہا، بہت ہیں'' (۱۵/ الف) اگر حضرت یسوعؑ نوع انسانی کے مبینہ موروثی گناہ کا کفارہ ادا کرنے کے لئے مصلوب ہونے کو آئے تھے تو اس ''مقدس'' مشن کی تکمیل خوشی خوشی کرتے۔ ان کے حواری ان کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈال کر رقصاں وفرحاں انہیں مصلوب ہونے کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر لے جاتے۔ اس صورت میں حضرت یسوعؑ کے دشمن یہودی بھی ان حواریوں کے ہاتھ پاؤں چومتے۔ اس کے برعکس حضرت یسوعؑ ان حواریوں کو تلواریں خریدنے کا حکم دے رہے ہیں، اس سے تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ آپ ہرگز دشمن کے

ہاتھوں گرفتار ہونا نہیں چاہتے تھے بل کہ مدافعت کے لئے حواریوں کے ہاتھوں میں تلواریں دیکھنا پسند کرتے تھے، لیکن گرفتاری کے لئے آنے والے دشمنوں کا جمِ غفیر دیکھ کر آپ نے مقابلے کا خیال چھوڑ دیا۔ الغرض مصلوبیت مسیحؑ کے افسانے پر عقیدۂ کفارہ کی بنیاد رکھنے والے بتائیں کہ مجنون کون۔ ہے؟

۳۔ بہ حوالہ پولس: (الف) بائبل کے نئے عہد نامے کے بہ غور مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یسوعؑ کی سچی تعلیم کو مسخ کرنے والا شخص پولس ہے جو باعترافِ خود نزیہودی تھا اور حضرت یسوعؑ اور ان کے حواریوں کا بدترین موذی دشمن تھا جو انہیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچانے میں پیش پیش رہتا تھا۔ حضرت یسوعؑ کے عروجِ آسمانی کے بعد بھی ایک مدت تک اس کا یہی وطیرہ رہا پھر وہ اچانک تین سال کے لئے منظر سے غائب ہوگیا۔ تین سال کے بعد یکا یک نمودار ہوکر اس نے حضرت یسوعؑ کے سچے حواریوں میں شامل ہونے کی کوشش کی اور ا۔پنے عیسائی ہونے بل کہ حضرت یسوعؑ کا رسول ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ اس کا اصل نام ساؤل (Saul) تھا۔ اب اس نے اپنا نام پولس (Paul) رکھ لیا تھا۔ شروع میں حواریوں نے اسے سخت مشکوک گردانتے ہوئے اپنے ساتھ ملانے سے اجتناب کیا لیکن برناباس میں حواری کی سفارش پر وہ حواریوں میں گھل مل جانے میں کامیاب ہوگیا۔ (۱۵/ ب) لیکن حواریوں کے خدشات کے عین مطابق وہ قدم قدم پر ان حواریوں کی مخالفت کرتا رہا اور بالآخر ان سے الگ تھلگ ہوگیا۔ اس شخص کے جھوٹے ہونے کی گوناگوں حیثیتوں کو ہم یہاں بیان کر رہے ہیں۔ مزید وضاحت کے لئے اس سلسلۂ مضامین میں ''پولس اور بائبل'' اور ''نسخِ احکام'' کے عنوانات کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے (۱۵/ ج) پولس کے عیسائی ہونے کا واقعہ بائبل کے نئے عہد نامے کی کتاب ''رسولوں کے اعمال'' میں یوں مذکور ہے۔ ''جب وہ (پولس) سفر کرتے کرتے دمشق کے نزدیک پہنچا تو ایسا ہوا کہ یکا یک آسمان سے ایک نور اس کے گرداگرد آ چمکا اور وہ زمین پر گر پڑا اور یہ آواز سنی کہ اے ساؤل، اے ساؤل تو مجھے کیوں ستاتا ہے۔ مگر اٹھ شہر میں جا اور جو تجھے کرنا چاہئے وہ تجھ سے کہا جائے گا۔ جو آدمی اس کے ہم راہ تھے وہ خاموش کھڑے رہ گئے کیوں کہ آواز تو سنتے تھے مگر کسی کو دیکھتے نہ تھے۔ اور ساؤل زمین سے اٹھا لیکن جب آنکھیں کھولیں تو اس کو کچھ دکھائی نہ دیا اور لوگ اس کا ہاتھ پکڑ کر دمشق میں لے گئے اور وہ تین دن تک نہ دیکھ سکا اور نہ اس نے کھایا نہ پیا''، (۱۶/ الف) پولس کے عیسائی ہونے کا مذکورہ واقعہ تو اس کے شاگرد لوقا نے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس نے یہ معلومات اپنے استاد ہی سے حاصل کی ہوں گی۔ یہی لوقا خود پولس کے اپنے الفاظ میں اس واقعے کو یوں بیان کرتا ہے ''جب میں سفر کرتا دمشق کے نزدیک پہنچا تو ایسا

ہوا کہ دوپہر کے قریب یکا یک ایک بڑا نور آسمان سے میرے گرد اگرد آچمکا اور میں زمین پر گر پڑا اور یہ آواز سنی کہ اے ساؤل، اے ساؤل! تو مجھے کیوں ستاتا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ اے خداوند! تو کون ہے؟ اس نے مجھ سے کہا میں یسوع ناصری ہوں جسے تو ستاتا ہے اور میرے ساتھیوں نے نور تو دیکھا لیکن جو مجھ سے بولتا تھا اس کی آواز نہ سنی۔ میں نے کہا اے خداوند! میں کیا کروں؟ خداوند نے مجھ سے کہا اٹھ کر دمشق میں جا جو کچھ تیرے کرنے کے لئے مقرر ہوا ہے وہاں تجھ سے سب کہا جائے گا۔ جب مجھے اس نور کے جلال کے سبب سے کچھ دکھائی نہ دیا تو میرے ساتھی میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے دمشق میں لے گئے''۔ (۱۶/ ب) ایک اور مقام پر یہی پولس اپنے عیسائی ہونے کے اس واقعے کو یوں بیان کرتا ہے''.....تو اے بادشاہ! میں نے دوپہر کے وقت راہ میں یہ دیکھا کہ سورج کے نور سے زیادہ ایک نور آسمان سے میرے اور میرے ہم سفروں کے گرد اگرد آچمکا۔ جب ہم سب زمین پر گر پڑے تو میں نے عبرانی زبان میں یہ آواز سنی کہ اے ساؤل، اے ساؤل! تو مجھے کیوں ستاتا ہے؟ پینے کی آر پر تجھے لات مارنا مشکل ہے۔ میں نے کہا اے خداوند! تو کون ہے؟ خداوند نے فرمایا میں یسوع ہوں جسے تو ستاتا ہے لیکن اٹھ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو، کیوں کہ میں اس لئے تجھ پر ظاہر ہوا ہوں کہ تجھے ان چیزوں کا بھی خادم اور گواہ مقرر کردوں جن کی گواہی کے لئے تو نے مجھے دیکھا ہے اور ان کا بھی جن کی گواہی کے لئے میں تجھ پر ظاہر ہوا کروں گا۔ اور میں تجھے اس امت اور غیر لوگوں سے بچاتا رہوں گا جن کے پاس تجھے اس لئے بھیجتا ہوں کہ تو ان کی آنکھیں کھول دے تا کہ اندھیرے سے روشنی کی طرف اور شیطان کے اختیار سے خدا کی طرف رجوع لائیں اور تجھ پر ایمان لانے کے سبب گناہوں کی معافی اور مقدسوں میں شریک ہو کر میراث پائیں'' (۱۶/ ج) پولس کے مذکورہ بیانات پر خوب غور کیجئے کبھی وہ کہتا ہے کہ میں اکیلا ہی زمین پر گرا تھا اور میرے ساتھی کھڑے رہے اور کبھی کہتا ہے کہ ہم سب زمین پر گر پڑے تھے۔ کبھی وہ کہتا ہے کہ میرے ساتھی بھی آواز سنتے تھے اور دیکھتے کچھ نہ تھے اور کبھی کہتا ہے کہ میرے ساتھیوں نے نور تو دیکھا تھا لیکن جو مجھ سے بولتا تھا اس کی آواز انہوں نے نہیں سنی تھی۔ کبھی وہ کہتا ہے کہ اس موقع پر مجھے کہا گیا تھا کہ جب تو دمشق میں پہنچے گا تو وہاں تجھے سب کچھ بتایا جائے گا کہ کیا کرنا ہے اور کبھی وہ کہتا ہے کہ جو کچھ کرنے کا کام تھا وہیں مجھے بتا دیا گیا تھا کہ لوگوں کو اندھیرے سے روشنی کی طرف لانا ہے۔ وغیرہ۔ جو نور اس پر چمکا تھا اس نے اسے تین دن تک اندھا کئے رکھا اور اس کے اپنے ایک قول کے مطابق یہی نور اس کے ساتھیوں نے بھی دیکھا تھا یعنی وہ تو اندھے نہ ہوئے بل کہ اس اندھے پولس کا ہاتھ پکڑ کر اسے دمشق میں لے گئے۔ بہ قول پولس اس سے

حضرت یسوعؑ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میں تجھ پر ظاہر ہوا کروں گا۔ اگر پولس ذہنی مریض نہیں تھا تو وہ یہاں اپنی تضاد بیانی سے صاف جھوٹا ثابت ہو رہا ہے۔ اس نے رومیوں کے نام خط میں اپنے جھوٹے ہونے کا خود بھی یوں اعتراف کیا ہے ''اور اگر میرے جھوٹ کے سبب خدا کی سچائی اس کے جلال کے واسطے زیادہ ظاہر ہوئی تو پھر کیوں گناہ گار کی طرح مجھ پر حکم کیا جاتا ہے؟'' (۱۷/ الف) ایسے جھوٹے شخص کو مقدس قرار دینے والے خود ہی بتائیں کہ مجنون کون ہے؟

(ب) مبینہ مصلوبیت کے بعد حضرت یسوعؑ کے دوبارہ جی اٹھنے کے متعلق پولس لکھتا ہے ''اور کیفا کو اور اس کے بعد ان بارہ کو (یسوع) دکھائی دیا۔ پھر پانچ سو سے زائد بھائیوں کو ایک ساتھ دکھائی دیا جن میں سے اکثر اب تک موجود ہیں اور بعض سو گئے'' (۱۷/ ب) حال آں کہ حضرت یسوعؑ کے بارہ ساتھیوں میں سے مبینہ غدار حواری یہوداہ اسکریوتی تو پہلے ہی فوت ہو چکا تھا اسی لئے تو انجیل مرقس میں ہے'' پھر وہ ان گیارہ کو بھی جب وہ کھانا کھانے بیٹھے تھے دکھائی دیا'' (۱۷/ ج) یعنی پولس یہاں بھی جھوٹا ثابت ہو رہا ہے یا یہ کہنا پڑے گا کہ وہ کسی ذہنی مرض میں مبتلا تھا۔ پولس اپنے اس بیان میں بھی جھوٹا ہے کہ حضرت یسوعؑ ایک ساتھ پانچ سو سے زائد بھائیوں کو دکھائی دیئے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو بقول متی یہودی یہ جھوٹی خبر پھیلانے میں کیسے کامیاب ہو سکتے تھے کہ یسوع کے شاگرد قبر پر مامور محافظوں کو غافل پا کر ان کی لاش قبر سے چرا کر لے گئے تھے؟ (۱۸/ الف) اتنی بڑی خبر کو اناجیل کے مؤلفین اور اس زمانے کے مؤرخین نے کیسے نظر انداز کر دیا؟ پولس کا شاگرد لوقا بھی اتنی اہم خبر کو انجیل لوقا اور کتاب اعمال میں کیوں نہ بیان کر سکا؟ ایسے جھوٹے شخص کو مقدس قرار دینے والے خود ہی بتائیں کہ مجنون کون ہے؟

(ج) حضرت یسوع کا بہت بڑا معجزہ مُردوں کو زندہ کرنے کا ہے۔ چناں چہ لوقا نے نائین شہر کے پھاٹک پر ایک مردے کو زندہ کرنے اور یوحنا نے مریم مگدینی کے مردہ بھائی لعزر کو زندہ کرنے کے حضرت یسوعؑ کے معجزے کا حال لکھا ہے گو باقی اناجیل اس سلسلے میں حیرت انگیز طور پر خاموش ہیں۔ پھر بھی لوقا اور یوحنا نے مردوں کو زندہ کرنے کے حضرت یسوعؑ کے اس معجزے کو ثابت کرنے کی جو تھوڑی بہت محنت کی تھی اس پر بھی پولس نے پوری طرح پانی پھیر دیا۔ کرنتھیوں کے نام خط میں پولس نے لکھا ہے ''مسیح مُردوں میں سے جی اٹھا ہے اور جو سو گئے ہیں ان میں پہلا پھل ہوا'' (۱۸/ ب) کلسیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے'' وہی (یسوع) ابتدا ہے اور مُردوں میں سے جی اٹھنے والوں میں پہلوٹھا تا کہ سب باتوں میں اس کا اول درجہ ہو'' (۱۸/ ج) اور یہی پولس بہ مطابق کتاب اعمال کہتا ہے ''لیکن خدا کی مدد

سے میں آج تک قائم ہوں اور چھوٹے بڑے کے سامنے گواہی دیتا ہوں اور ان باتوں کے سوا کچھ نہیں کہتا جن کی پیشین گوئی نبیوں اور موسیٰ نے بھی کی ہے کہ مسیح کو دکھ اٹھانا ضرور ہے اور سب سے پہلے وہی مردوں میں سے زندہ ہو کر اس امت کو اور غیر قوموں کو بھی نور کا اشتہار دے گا'' (۱۹/ الف) پولس کے مذکورہ تمام بیانات صاف صاف بتا رہے ہیں کہ حضرت یسوعؑ اپنی مبینہ مصلوبیت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے والوں میں پہلوٹھے ہیں یعنی حضرت یسوعؑ سے پہلے کبھی کوئی مردہ زندہ ہوا ہی نہیں۔ یوں مردوں کو زندہ کرنے کے حضرت یسوعؑ کے معجزے کی پولس نے بھرپور نفی کر ڈالی۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا واقعی حضرت موسیٰ اور دیگر نبیوں نے ایسی کوئی پیشین گوئی فرمائی تھی کہ حضرت یسوعؑ سب سے پہلے مُردوں میں سے زندہ ہوں گے؟ اگر ایسی کوئی پیشین گوئی انہوں نے کی تھی تو حضرت یسوعؑ کے ہاتھوں مُردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ کیسے ثابت ہوگا؟ اگر ایسی کوئی پیشین گوئی انہوں نے نہیں فرمائی تھی تو پولس کا جھوٹا ہونا یہاں بھی خوب کھل گیا۔ ایسے شخص کو مقدس قرار دینے والے ہی بتائیں کہ مجنون کون ہے؟

(د) حلت وحرمت کے خود ساختہ فلسفے کے تحت پولس، طیطیس کے نام اپنے خط میں لکھتا ہے ''پاک لوگوں کے لئے سب چیزیں پاک ہیں مگر گناہ آلود اور بے ایمان لوگوں کے لئے کچھ بھی پاک نہیں بل کہ ''ان کی عقل اور دل دونوں گناہ آلود ہیں'' (۱۹/ ب)۔ رومیوں کے نام اپنے خط میں وہ لکھتا ہے ''مجھے معلوم ہے بل کہ خداوند یسوعؑ میں مجھے یقین ہے کہ کوئی چیز بذاتہ حرام نہیں لیکن جو اسے حرام سمجھتا ہے اس کیلئے حرام ہے'' (۱۹/ ج) اور تیمتھیس کے نام اپنے خط میں وہ اس کی مزید وضاحت یوں کرتا ہے کیوں کہ خدا کی پیدا کی ہوئی ہر چیز اچھی ہے اور کوئی چیز انکار کے لائق نہیں بہ شرطے کہ شکر گزاری کے ساتھ کھائی جائے اس لئے کہ خدا کے کلام اور دعا سے پاک ہو جاتی ہے۔ اگر تو بھائیوں کو یہ باتیں یاد دلائے گا تو مسیح یسوع کا اچھا خادم ٹھہرے گا'' (۲۰/ الف) پولس نے اپنی ان باتوں سے خنزیر کا گوشت عیسائیوں کے گلے میں اتار دیا حال آں کہ یہ موسوی شریعت میں قطعاً حرام تھا (۲۰/ ب) عیسائی حضرات غور کریں کہ جب حضرت یسوعؑ سمیت تمام اسرائیلی انبیاء علیہم السلام نے موسوی شریعت کے حرام جانوروں کا گوشت کبھی نہیں کھایا تو کیا ''گناہ آلود اور بے ایمان'' کی پولس کی مذکورہ گالی حضرت یسوعؑ سمیت سب نبیوں پر چسپاں نہیں ہوتی؟ جب حضرت یسوعؑ اور دیگر سب اسرائیلی نبی پولس کے بیانات کی روشنی میں (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) گناہ آلود اور بے ایمان ٹھہرتے ہیں تو وہ لازماً (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) ناپاک اور حرام خور بھی ٹھہریں گے کیوں کہ بہ قول پولس ''پاک لوگوں کے لئے سب چیزیں پاک ہیں مگر گناہ آلود اور بے ایمان

لوگوں کے لئے کچھ بھی پاک نہیں۔'' یعنی ان کے لئے حلال جانور بھی ناپاک اور حرام ہو جائیں گے۔ پھر موسوی شریعت میں خنزیر کے علاوہ اونٹ بھی تو حرام تھا بل کہ خرگوش، سافان، عقاب، چیل، باز، گدھ، کوا، اُلو، چمگادڑ جیسے جانور اور پرندے بھی تو حرام تھے (۲۰/ ج) کیا وجہ ہے کہ ہمارے مسیحی بھائی خنزیر کو تو اتنا مرغوب سمجھتے ہیں مگر مذکورہ جانوروں اور پرندوں کا گوشت نہیں کھاتے؟ کیا یہ خدا کے پیدا کئے ہوئے نہیں ہیں؟ جب بہ قول پولس ہر چیز بذاتہٖ حلال ہے، کوئی چیز بھی حرام نہیں اور جب کوئی چیز بھی انکار کے لائق نہیں بہ شرطے کہ شکرگزاری کے ساتھ کھائی جائے تو عیسائی حضرات اونٹ سمیت مذکورہ جانوروں اور پرندوں کو شکرگزاری کے ساتھ کیوں نہیں کھاتے؟ خدا کے کلام اور دعا سے تو بہ قول پولس ہر چیز پاک ہو جاتی ہے تو مذکورہ جانور اور پرندے عیسائیوں کے لئے کیوں پاک نہیں ہوتے؟ پولسی فلسفے کے تحت تو عیسائیوں کو کتا، گیدڑ، بھیڑیا، ریچھ، بندر، نیولا، چوہا وغیرہ سب ہی جانوروں کا گوشت خندہ پیشانی سے کھانا چاہئے۔ کیا یہ خدا کے پیدا کئے ہوئے نہیں ہیں؟ جب بہ قول پولس خدا کی پیدا کی ہوئی ہر چیز اچھی ہے اور کوئی چیز بھی انکار کے لائق نہیں بہ شرطے کہ شکرگزاری کے ساتھ کھائی جائے اور جب بہ قول پولس پاک لوگوں کے لئے سب چیزیں پاک ہیں اور گناہ آلود اور بے ایمان لوگوں کے لئے کچھ بھی پاک نہیں تو ہمارے مسیحی بھائی مذکورہ جانوروں کا گوشت نہ کھا کر کیوں پولس کے فتوے کی روشنی میں گناہ آلود، بے ایمان، ناپاک اور ناشکرے لوگوں میں اپنے آپ کو شامل کر رہے ہیں؟ پس پولس کو سچا سمجھنے کی صورت میں اس کے حلت وحرمت کے مذکورہ فلسفے کے تحت سب ہی عیسائیوں کو لازماً، گناہ آلود، بے ایمان اور ناشکرے قرار دینا ہوگا۔ عیسائیوں کے حق میں یہی بہتر ہے کہ وہ پولس کو جھوٹا اور حضرت یسوع ودیگر اسرائیلی انبیاء علیہم السلام کے حق میں اسے گستاخ تسلیم کرلیں ورنہ اس کے مذکورہ فتوے کی زد سے وہ ہرگز باہر نہیں نکل سکتے۔ جو لوگ پھر بھی پولس کو مقدس قرار دینے پر اصرار کریں وہ خود ہی بتائیں کہ مجنون کون ہے؟ (۲۱/ الف)

(ھ) پولس اپنی غلیظ زبان سے حضرت یسوعؑ کو (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) لعنتی قرار دیتا ہے تو اسی غلیظ زبان سے وہ خدا کو (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) یوں بے وقوف قرار دیتا ہے'' کیوں کہ خدا کی بے وقوفی آدمیوں کی حکمت سے زیادہ حکمت والی ہے اور خدا کی کمزوری آدمیوں کے زور سے زیادہ زور آور ہے'' (۲۱/ ب) اور اسی مضمون میں بہ حوالہ عقیدہ کفارہ نکتہ نمبر ج میں ہم باحوالہ بتا چکے ہیں کہ بائبل کے غلیظ مضامین کی رو سے خدا (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) جھوٹا، دغاباز اور عہد شکن بھی ہے۔ کیا خدا کو جھوٹا، دغاباز،

عہد شکن اور بے وقوف قرار دینا اور حضرت یسوعؑ کو ملعون قرار دینا تعریف وتوصیف کے کلمات ہیں یا کفریہ مضامین ہیں؟ اگر یہ تعریفی کلمات ہیں تو اہل کتاب کو چاہئے کہ وہ ان تمام اوصاف کو اپنے اور اپنے مذہبی پیشواؤں کے حق میں خندہ پیشانی سے قبول کریں۔ اگر یہ کفریہ کلمات ہیں تو ادھر بائبل کی کتاب احبار میں ہے کہ جو کوئی خدا کو ملعون کہے یا اسی طرح کا کوئی اور کفر بکے تو اسے سنگ سار کیا جائے بل کہ اگر کوئی شخص اپنے ماں باپ پر لعنت کرے تو وہ بھی جان سے مارے جانے کے لائق ہے'' (۲۱/ ج) جس پولس نے اپنی غلیظ زبان سے حضرت یسوعؑ کو ملعون کہا ہے، اسی پولس کی (جھوٹی اور خود ساختہ) تعلیم کے زیر اثر عیسائی حضرات حضرت یسوعؑ کو خدا کا بیٹا بھی کہتے ہیں۔ پس کتاب احبار کی روشنی میں اگر اپنے ماں باپ کو ملعون کہنے والا جان سے مارے جانے کے لائق ہے تو حضرت یسوعؑ کو ملعون قرار دینے والے تو یقیناً اس سے بڑی سزا کے مستحق ہیں۔ اس مشکل سے بچ نکلنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ اہل کتاب موجودہ بائبل کو محرف اور پولس کو پرلے درجے کا جھوٹا تسلیم کریں ورنہ بتائیں کہ مجنون کون ہے؟

(و) پولس عبرانیوں کے نام خط میں لکھتا ہے'' کیوں کہ اگر پہلا عہد بے نقص ہوتا تو دوسرے کے لئے موقع نہ ڈھونڈا جاتا'' (۲۲/ الف) وہ موسوی شریعت کو کھلم کھلا لعنت قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے'' مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا'' (۲۲/ ب) ادھر اناجیل میں مثلاً انجیل متی میں حضرت یسوعؑ کا ارشاد ہے کہ میں تورات اور نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے نہیں، بل کہ پورا کرنے آیا ہوں۔ (۲۲/ ج)

یوں موسوی شریعت کے بعض احکام میں آپ نے جو جزوی ترمیم فرمائی اسے آپ نے آخری اسرائیلی پیغمبر ہونے کی بنا پر تکمیل دین کا نام دیا ہے، منسوخی کا عنوان نہیں دیا کیوں کہ آپ کی آمد پر اسرائیلی شریعت کی حیثیت بنی اسرائیل کے لئے حرف آخر کی ہوگئی جب تک کہ خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی آفاقی اور عالمی شریعت نے اس کی جگہ نہیں لے لی۔ آپ نے شریعت موسوی کو ہرگز لعنت قرار نہیں دیا۔ پس اگر حضرت یسوعؑ سچے ہیں تو شریعت کو (معاذ اللہ) لعنت قرار دینے والا پولس سرتا پا جھوٹا ہے پھر بھی جو اسے مقدس سمجھتے ہیں وہ خود ہی بتائیں کہ مجنون کون ہے؟

(ز) ہم نے اسی مضمون میں اوپر عقلی ونقلی دلائل سے عقیدۂ کفارہ کو سراسر خلاف عقل اور باطل قرار دیا ہے۔ ہرگز حضرت یسوعؑ نے اپنے کسی عقیدے کی واضح اور غیر مبہم تعلیم نہیں دی اور چند مبہم عبارتوں اور جملوں سے عقائد ثابت نہیں ہوا کرتے۔ یہاں بھی پولس ہی اس جھوٹے عقیدۂ کفارہ اور عقیدۂ تثلیث

کا موجد ہے۔ حضرت یسوعؑ نے واشگاف الفاظ میں فرمایا تھا ''اے اسرائیل سن خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ'' (۲۳/ الف) حضرت یسوعؑ کے حواری اور عقیدت مند بہ مطابق اناجیل آپ کو صرف اور صرف خدا کا رسول اور نبی سمجھتے تھے۔ چناں چہ انجیل لوقا کے مطابق جب آپ نے نائین نام کے شہر کے پھاٹک پر ایک مردے کو زندہ کرنے کا معجزہ دکھایا تھا تو ''سب پر اس کی دہشت چھا گئی اور وہ خدا کی تمجید کر کے کہنے لگے کہ ایک بڑا نبی ہم میں برپا ہوا ہے اور خدا نے اپنی امت پر توجہ کی ہے'' (۲۳/ ب) اور انجیل متی میں ہے ''اور جب وہ (یسوع) یروشلم میں داخل ہوا تو سارے شہر میں ہل چل پڑ گئی اور لوگ کہنے لگے یہ کون ہے؟ بھیڑ کے لوگوں نے کہا یہ گلیل کے ناصرہ کا نبی یسوع ہے'' (۲۳/ ج) انجیل لوقا میں ہے ''اس نے ان سے کہا کیا ہوا ہے؟ انہوں نے اس سے کہا یسوع ناصری کا ماجرا جو خدا اور ساری امت کے نزدیک کام اور کلام میں قدرت والا نبی تھا'' (۲۴/ الف) اور انجیل یوحنا میں ہے ''اس نے رات کو یسوع کے پاس آ کر کہا اے ربی (استاد) ہم جانتے ہیں کہ تو خدا کی طرف سے استاد ہو کر آیا ہے، کیوں کہ جو معجزے تو دکھاتا ہے کوئی شخص نہیں دکھا سکتا جب تک خدا اس کے ساتھ نہ ہو'' (۲۴/ ب) اور اسی انجیل یوحنا میں ہے ''پس جو معجزہ اس نے دکھایا وہ لوگ اسے دیکھ کر کہنے لگے کہ جو نبی دنیا میں آنے والا تھا حقیقت میں یہی ہے'' (۲۴/ ج) ان مثالوں سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ لوگوں نے حضرت یسوعؑ کو خدا کے حکم سے قدرت والا اور معجزات دکھانے والا نبی قرار دیا اور ایک مرتبہ بھی حضرت یسوعؑ نے انہیں تنبیہ نہیں فرمائی کہ میں خدا کا اکلوتا بیٹا ہونے کی حیثیت سے خود بھی تمہارا خدا اور تمہارا معبود ہوں۔ مزید وضاحت اور متعلقہ شبہات کے ازالے کے لئے اس سلسلہ مضامین میں ''بائبل اور عقیدۂ توحید'' ''الوہیت مسیح اور بائبل'' اور ''عقیدۂ تثلیث'' کے عنوانات کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے (۲۵/ الف) اب پولس کی باتیں بھی سن لیجئے۔ موروثی گناہ اور عقیدۂ کفارہ کی تعلیم دیتا ہوا رومیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے ''پس جس طرح ایک آدمی کے سبب سے گناہ دنیا میں آیا اور گناہ کے سبب سے موت آئی اور یوں موت سب آدمیوں میں پھیل گئی اس لئے کہ سب نے گناہ کیا۔ کیوں کہ جب ایک شخص کے قصور سے سب آدمی مر گئے تو خدا کا فضل اور اس کی بخشش ایک ہی آدمی یعنی یسوع مسیح کے فضل سے پیدا ہوئی۔ بہت سے آدمیوں پر ضرور ہی افراط سے نازل ہوئی'' (۲۵/ ب) عقیدۂ تثلیث اور حلول کی تعلیم دیتا ہوا وہ کلسیوں کے نام خط میں لکھتا ہے ''کیوں کہ الوہیت کی ساری معموری اسی میں مجسم ہو کر سکونت کرتی ہے''

(۲۵/ ج) یعنی بہ قول پولس خدا کی خدائی حضرت یسوعؑ کے جسم میں حلول کر گئی تھی اور وہ مجسم خدا بن گئے تھے۔ خدا انسانی شکل میں کیوں آ گیا اور کیا خدا کو لوگ پکڑ کر اس کی خوب خوب تذلیل وتوہین کر کے اسے مصلوب بھی کر دیا کرتے ہیں؟ اس مشکل سوال سے پیچھا چھڑانے کے لئے پولس لکھتا ہے ''اس (یسوع) نے اگرچہ خدا کی صورت پر تھا، خدا کے برابر ہونے کو قبضے میں رکھنے کی چیز نہ سمجھا بل کہ اپنے آپ کو خالی کر دیا اور خادم کی صورت اختیار کی اور انسانوں کے مشابہ ہو گیا اور انسانی شکل میں ظاہر ہو کر اپنے آپ کو پست کر دیا اور یہاں تک فرماں بردار رہا کہ موت بل کہ صلیبی موت گوارا کی'' (۲۶/ الف) یعنی بہ قول پولس حضرت یسوعؑ خدا تو تھے لیکن ایک بہت ہی ''فرماں بردار قسم کے'' خدا تھے۔ لیکن کیا خدا (معاذ اللہ) فرماں بردار اور خادم بھی ہوا کرتا ہے؟ اس کا جواب پولس یہ دے رہا ہے کہ حضرت یسوع نے خدائی اپنے قبضے میں نہیں رکھی تھی بل کہ نہایت ادب واحترام سے یہ خدائی خدا کو واپس کر دی تھی، تاکہ اصل خدا سے برابری نہ ہو جائے۔ بالفاظ دیگر آپ نے نہایت ہی خاک سارانہ انداز میں خدائی سے دست برداری اختیار کر لی تھی، لیکن جیسا کہ سطور بالا میں مذکور ہو چکا ہے پولس یہ بھی کہہ رہا ہے کہ ساری الوہیت یعنی خدائی حضرت یسوعؑ میں مجسم ہو کر سکونت کرتی ہے۔ اسی یسوع میں جسے پولس بعض دیگر مواقع پر (معاذ اللہ) لعنتی بھی قرار دیتا ہے۔ پولس کے ان خلاف عقل اور لغو نظریات پر غور کیجئے اور ان کا تقابل حضرت یسوعؑ کی اس سچی تعلیم سے کیجئے جس کی مثالیں ہم اوپر دے چکے ہیں تو معلوم ہوگا کہ حضرت یسوعؑ اگر سچے ہیں تو پولس حضرت یسوعؑ کو خدا ٹھہرا کر پھر اسی خدا کو (معاذ اللہ) ملعون قرار دے کر خود ہی جھوٹا اور ملعون ہے۔ جو لوگ ایسے شخص کو مقدس قرار دیتے ہیں وہ خود بتائیں کہ مجنون کون ہے؟

(ح) خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو ختنے کا حکم دیا تو اسے ان کی اولاد کے لئے بھی دائمی اور ناقابل تنسیخ حکم قرار دیا اور کتاب احبار کی رو سے یہی حکم موسوی شریعت میں بھی تھا۔ (۲۶/ ب) یہی ابدی حکم حضرت یسوعؑ کے لئے بھی تھا ''جب آٹھ دن پورے ہوئے اور اس کے ختنہ کا وقت آیا تو اس کا نام یسوع رکھا گیا'' (۲۶/ ج) اسی ابدی حکم کے تحت حضرت ابراہیمؑ سے چلنے والی دوسری عظیم الشان نسل بنی اسماعیل بھی اس پر عمل پیرا رہی اور شریعت محمدیہؐ میں بھی اسے بحال رکھا گیا۔ لیکن اس کے عین برعکس پولس گلتیوں کے نام خط میں لکھتا ہے ''دیکھو میں پولس تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم ختنہ کراؤ گے تو مسیح سے تم کو کچھ فائدہ نہ ہوگا'' (۲۷/ الف) ہر عقل سلیم رکھنے والا شخص یہاں بہ آسانی سمجھ سکتا ہے کہ پولس سرتاپا جھوٹا ہے، پھر بھی جو اسے مقدس قرار دیں اور اس سے عقیدت کا اظہار کریں وہ خود ہی بتائیں کہ مجنون کون ہے؟

(ط) پولس حضرت یسوعؑ کے سچے حواریوں سے ایک لفظ بھی سیکھنے کا روادار نہیں اور (جھوٹا) دعویٰ کرتا ہے کہ وہ حضرت یسوعؑ کا رسول ہے۔ وہ گلتیوں کے نام خط میں لکھتا ہے ''جس خدا نے مجھے میری ماں کے پیٹ ہی سے مخصوص کرلیا اور اپنے فضل سے بلالیا، جب اس کی مرضی یہ ہوئی کہ اپنے بیٹے کو مجھ میں ظاہر کرے تاکہ میں غیر قوموں میں اس کی خوش خبری دوں تو نہ میں نے گوشت اور خون سے صلاح لی اور نہ یروشلم میں ان (حواریوں) کے پاس گیا جو مجھ سے پہلے رسول تھے، بل کہ فوراً عرب کو چلا گیا پھر وہاں سے دمشق کو واپس آیا'' (۲۷/ب) اگر پولس کو خدا نے واقعی اس کی ماں کے پیٹ ہی سے مخصوص کرلیا تھا تو بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ حضرت یسوعؑ اور ان کے حامیوں کا بدترین دشمن ہوتا اور حضرت یسوعؑ کے رفعِ سماوی کے بعد بھی ایک عرصے تک اسی روش پر قائم رہتا۔ پھر اپنے متضاد بیانات سے اپنے عیسائی ہونے کا حال بیان کرتا اور بہ ظاہر اپنے آپ کو حضرت یسوعؑ کا عقیدت مند ظاہر کرتا ہوا قدم قدم پر حضرت یسوعؑ کی صحیح تعلیم کو مسخ کرتا اور سچے حواریوں سے صرف لاتعلق ہی نہیں بل کہ ان سے نفرت اور بیزاری کا یوں اظہار کرتا ''لیکن جب کیفا (پطرس) انطاکیہ آیا تو میں نے روبرو ہو کر اس کی مخالفت کی کیوں کہ وہ ملامت کے لائق تھا اس لئے کہ یعقوب کی طرف سے چند شخصوں کے آنے سے پہلے تو وہ غیر قوم والوں کے ساتھ کھایا کرتا تھا مگر جب وہ آگئے تو مختونوں کے ڈر سے باز رہا اور باقی یہودیوں نے بھی اس کے ساتھ ہو کر ریاکاری کی یہاں تک کہ برنباس بھی ان کے ساتھ ریاکاری میں پڑ گیا (۲۷/ج) غور کیجئے حضرت یسوعؑ کا سچا اور عظیم ترین حواری پطرس، اور برنباس سمیت پطرس کے دوسرے ساتھی بہ قول پولس ریاکار اور ملامت کے لائق تھے، حال آں کہ وہ حضرت یسوعؑ کی زندگی میں ان کے ساتھی رہے اور ان سے تعلیم حاصل کرتے رہے، جب کہ پولس حضرت یسوعؑ کی پوری زندگی میں ان کا اور ان کے ساتھیوں کا بدترین دشمن رہا اور اسے حضرت یسوعؑ کی پاکیزہ رفاقت وصحبت ایک ثانیے (سیکنڈ) کے کروڑویں حصے کے برابر بھی حاصل نہ ہوئی۔ اب اگر پولس سچا ہے تو پطرس اور برنباس وغیرہ حضرت یسوعؑ کے سچے اور مخلص حواریوں کو (معاذ اللہ) جھوٹے قرار دے کر ناقابل اعتماد ٹھہرانا ہوگا، اس صورت میں نئے عہد نامے میں شامل پطرس کے خطوط الہامی کیسے ہو گئے؟ اور اگر پولس جھوٹا ہے تو پولس کے خطوط کیسے الہامی ہو گئے؟ نیز پطرس رومن کیتھولک چرچ کے مطابق ان کا پہلا پوپ ہے اور پوپ ان کے نزدیک معصوم عن الخطا (Infallible) ہوتا ہے اب اگر پطرس سچا ہے تو پولس جھوٹا ہوا اور اس کے خود ساختہ تثلیث، کفارے اور الوہیت مسیح کے عقائد بھی جھوٹے ہوئے۔ اگر پولس سچا ہے تو پطرس کو لازماً جھوٹا ماننا ہوگا، کیوں کہ بہ قول

پولس وہ ریاکار اور ملامت کے لائق تھا، اس صورت میں بہ حیثیت پوپ پطرس کو معصوم کیسے قرار دیا جائے گا؟ ایسی متضاد باتوں کو الہامی قرار دینے والے اور پولس کو مقدس گردانے والے خود ہی بتائیں کہ مجنون کون ہے؟ ہم نے یہ سب کچھ الزاماً لکھا ہے ورنہ ہم موجودہ اناجیل اور پطرس کے خطوط کو بھی محرف اور ناقابل اعتماد سمجھتے ہیں۔

(ی) ہم بارہا یہ بیان کر چکے ہیں کہ پولس اپنے جھوٹے ہونے کا خود بھی اعتراف کرتا ہے، چناں چہ رومیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے ''اگر میرے جھوٹ کے سبب سے خدا کی سچائی اس کے جلال کے واسطے زیادہ ظاہر ہوئی تو پھر کیوں گناہ گار کی طرح مجھ پر حکم کیا جاتا ہے؟'' (۲۸/ الف) یہاں پولس یہ کہہ رہا ہے کہ خدا کے جلال کے واسطے اگر خدا کی سچائی جھوٹ بولنے سے زیادہ ظاہر ہوتی ہو تو آخر جھوٹ بولنے میں قباحت ہی کیا ہے؟ یہاں وہ اپنے منہ سے اپنے جھوٹے ہونے کا اعتراف کر رہا ہے۔ اگر وہ اپنے اس اعتراف میں سچا ہے تو اس کا جھوٹا ہونا ثابت ہو گیا۔ اگر وہ اپنے اس اعتراف میں جھوٹا ہے تو بھی وہ جھوٹا ثابت ہوا۔ ہم نے پولس کو خود بائبل کے مضامین سے سرتاپا جھوٹا ثابت کر دیا ہے اگر وہ جھوٹا نہیں تو یقیناً وہ کسی ذہنی مرض میں مبتلا ہو کر متضاد باتیں کرتا اور خلاف عقل عقائد کی تعلیم دیتا ہے تو جو لوگ اسے سچا اور مقدس سمجھتے ہوئے تثلیث، الوہیت مسیحؑ اور کفارے کے عقائد کو قبول کر رہے ہیں وہ خود ہی بتائیں کہ مجنون کون ہے؟

۴۔ **بہ حوالہ مسیحیت یسوعؑ**: قبل ازیں اسی زیر نظر مضمون میں عقیدہ کفارہ کے حوالے سے نکتہ نمبر ''ز'' میں متعدد مثالوں سے واضح کیا جا چکا ہے کہ بائبل کے (جھوٹے) مضامین کی رو سے حضرت یسوعؑ کو ہرگز معصوم عن الخطا ثابت نہیں کیا جا سکتا اور اس سے بھی بڑھ کر ظلم یہ ہے کہ موجودہ (محرف) اناجیل سے تو حضرت یسوعؑ کو سرے سے سچا مسیح ہی ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً بہ مطابق انجیل لوقا فرشتہ جبریل نے سچے مسیحؑ کی یہ نشانی بتائی تھی ''اور خداوند خدا اس کے باپ داؤد کا تخت اسے دے گا اور وہ یعقوب کے گھرانے پر ابد تک بادشاہی کرے گا اور اس کی بادشاہی کا آخر نہ ہوگا'' (۲۸/ ب) لیکن حضرت یسوعؑ کو حضرت یعقوب کی اولاد یعنی بنی اسرائیل پر بادشاہت تو کیا حاصل ہوتی، آل یعقوب (بنی اسرائیل) نے تو انہیں گرفتار کرایا اور بہ مطابق اناجیل، رومی گورنر پیلاطس کے ذریعے انہیں اذیت پہنچا کر اور ان کی خوب توہین و تذلیل کر کے سولی پر چڑھا دیا۔ یہاں بادشاہت سے صرف روحانی بادشاہت اس لئے مراد نہیں لی جا سکتی کہ حضرت جبرئیل نے اسے تختِ داؤد والی بادشاہت قرار دیا ہے اور سب

جانتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ کو صرف روحانی ہی نہیں بل کہ زمینی بادشاہت بھی بنی اسرائیل پر حاصل تھی۔ اور مثلاً انجیل متی میں حضرت یسوعؑ کا نسب یکونیاہ سے ملایا گیا ہے (۲۸/ ج) جو تواریخ روم کی رو سے یہویقیم کا بیٹا ہے (۲۹/ الف) اس یہویقیم کے متعلق حضرت یرمیاہؑ پر وحی نازل ہوئی تھی کہ یہویقیم کی نسل سے کوئی بھی تختِ داؤدی کا ہرگز وارث نہیں ہوگا (۲۹/ ب) جب حضرت یسوعؑ اسی یہویقیم کی نسل سے ہیں تو آپ تختِ داؤدی کے وارث نہ ہوئے اور نہ ہی بہ مطابق اناجیل (معاذ اللہ) سچے مسیح ثابت ہوئے، اور مثلاً بہ مطابق اناجیل حضرت یسوعؑ کا سچا مسیح ہونا ایلیاہ کی آمد پر موقوف تھا۔ آپ نے بہ مطابق اناجیل اپنے زمانے کے حضرت یوحنا (یحییٰ) کو ایلیاہ قرار دیا (۲۹/ ج) لیکن حضرت یوحنا نے اپنے ایلیاہ ہونے کا انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ میں ایلیاہ نہیں ہوں (۳۰/ الف) اور مثلاً معجزات سے بھی حضرت یسوعؑ کا سچا مسیح ہونا بہ مطابق اناجیل ثابت نہیں ہوتا، کیوں کہ حضرت یسوعؑ نے فرمایا تھا ''کیوں کہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اٹھ کھڑے ہوں گے اور ایسے بڑے نشان اور عجیب کام کر دکھائیں گے کہ اگر ممکن ہو تو برگزیدوں کو بھی گم راہ کر لیں'' (۳۰/ ب) اور مثلاً بہ مطابق انجیل یوحنا حضرت یسوعؑ نے فرمایا تھا ''میں خود اپنی گواہی دوں تو میری گواہی سچی نہیں'' (۳۰/ ج) اور اسی انجیل میں آپ کا یہ قول بھی مذکور ہے، ''اگرچہ میں اپنی گواہی آپ دیتا ہوں تو بھی میری گواہی سچی ہے'' (۳۱/ الف) حضرت یسوعؑ کے ان مبینہ متضاد بیانات سے ان کا مسیح ہونے کا دعویٰ (معاذ اللہ) قابل اعتماد نہ رہا۔ اور مثلاً جب آپ کے حواری پطرس نے آپ کو ''خدا کا مسیح'' قرار دیا تو آپ نے فرمایا ''یہ کسی سے نہ کہنا'' (۳۱/ ب) مزید تفصیل کے لئے اس سلسلۂ مضامین میں ''مسیحیت یسوع اور اناجیل'' کے عنوان پر مضمون کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے (۳۱/ ج) دیکھئے جن اناجیل نے حضرت یسوعؑ کو سچا مسیح ہونے کے منصب سے ہی (معاذ اللہ) نکال باہر کیا ہے تو انہیں الہامی اور مقدس سمجھنے والے اور ان کی نشر و اشاعت پر کثیر سرمایہ اور قیمتی وقت صرف کرنے والے ہی بتائیں کہ مجنون کون ہے؟

۵۔ **بہ حوالہ ایمان:** اہل کتاب بائبل کی رو سے اپنا سچا مومن ہونا ثابت نہیں کر سکتے۔ مثلاً بائبل کے غلیظ مضامین کی رو سے خدا (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) جھوٹا، عہد شکن اور دغا باز ہے (۳۲/ الف) عیسائیوں کے خیال میں حضرت یسوعؑ بھی خدا ہیں، لہٰذا یہ اوصاف لازماً حضرت یسوعؑ میں بھی ماننے پڑیں گے۔ نبیوں کا حال بھی سن لیجئے، کتاب یرمیاہ میں ہے ''رب الافواج فرماتا ہے کہ ان نبیوں کی باتیں نہ سنو جو تم سے نبوت کرتے ہیں وہ تم کو بطالت کی تعلیم دیتے ہیں اور اپنے دلوں کے الہام بیان کرتے ہیں

نہ کہ خداوند کے منہ کی باتیں'' (۳۲/ ب) سی کتاب یرمیاہ کا مضمون ہے ''اس لئے چھوٹوں سے لے کر بڑوں تک سب کے سب لالچی ہیں اور نبی سے کاہن تک ہر ایک دغاباز ہے'' (۳۲/ ج)

خوب غور کیجئے کہ بائبل والے ایسے خدا اور ایسے نبیوں کی کسی بات پر یقین کیسے کیا جاسکتا ہے؟ ایمان یقین ہی کا تو نام ہے۔ پس بائبل کے ایسے مضامین اہل کتاب کو بے ایمان ٹھہرا رہے ہیں۔ بائبل میں خدا کی الوہیت اور انبیاء علیہم السلام کی نبوت کے پاکیزہ تصور کو جس شرمناک انداز میں پامال کیا گیا ہے اس کی مزید وضاحت کے لئے اس سلسلہ مضامین میں عنوانات ''بائبل میں ناقص تصور الوہیت'' اور ''بائبل میں ناقص تصور رسالت'' کے تحت مباحث کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ (۳۳/ الف) اور مثلاً انجیل متی میں حضرت یسوعؑ کا ارشاد ہے'' میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا تو اس پہاڑ سے کہہ سکو گے کہ یہاں سے سرک کر چلا جا اور وہ چلا جائے گا اور کوئی بات تمہارے لئے ناممکن نہ ہوگی'' (۳۳/ ب) اور مزید ارشاد ہے'' اور ایمان لانے والوں کے درمیان یہ معجزے ہوں گے کہ وہ میرے نام سے بدروحوں کو نکالیں گے، نئی نئی زبانیں بولیں گے، سانپوں کو اٹھالیں گے اور اگر کوئی ہلاک کرنے والی چیز پئیں گے تو انہیں کچھ ضرر نہ پہنچے گا اور بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے تو اچھے ہو جائیں گے'' (۳۳/ ج) آپ کا مزید ارشاد ہے'' میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو مجھ پر ایمان رکھتا ہے یہ کام جو میں کرتا ہوں وہ بھی کرے گا کیوں کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں''۔ (۳۴/ الف) دیکھئے مذکورہ تمام کاموں کے لئے ہر عیسائی میں صرف رائی کے دانے کے برابر ہی ایمان کافی ہے۔ ایمان کا یہ کم سے کم درجہ تو لازماً ہر دور میں ہر عیسائی میں ہونا چاہئے ورنہ وہ بے ایمان سمجھا جائے گا۔ اب اگر ان کے اندر رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے تو مذکورہ تمام کام انہیں کر کے دکھانے ہوں گے ورنہ یہی کہنا پڑے گا کہ ہمارے عیسائی بھائیوں میں بڑوں سے لے کر چھوٹوں تک اپنے ایمان کو ثابت کرنا قطعاً ناممکن ہے، کیوں کہ ان کے اندر تو بہ مطابق اناجیل رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔ ادھر حضرت یسوعؑ کا یہ ارشاد بھی ہے'' کیوں کہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اٹھ کھڑے ہوں گے اور ایسے بڑے نشان اور عجیب کام کر دکھائیں گے کہ اگر ممکن ہو تو برگزیدوں کو بھی گمراہ کرلیں'' (۳۴/ ب) ان اناجیل نے عیسائیوں کو عجیب مشکل میں ڈال رکھا ہے۔ اگر وہ پہاڑوں کو سرکانے وغیرہ جیسی نشانیاں دکھانے سے قاصر ہوں تو ان کے اندر رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہ ہونے کا انجیلی فتویٰ لگ رہا ہے۔ اور اگر بالفرض وہ ایسی نشانیاں دکھا بھی دیں تو چوں کہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی بھی یہ نشانیاں دکھا سکتے ہیں، لہٰذا اس صورت میں

بھی ان بے چاروں کا ایمان غیر معتبر ہی قرار پائے گا۔ اب جو لوگ ان اناجیل کو الہامی اور مقدس قرار دے رہے ہیں اور اپنے آپ کو بے ایمان لوگوں میں شامل کر رہے ہیں اور اس کے باوجود ان کی نشر واشاعت پر کثیر سرمایہ اور قیمتی وقت صرف کر رہے ہیں وہ خود ہی بتائیں کہ مجنون کون ہے؟

۶۔ **بہ حوالہ استحقاق جنت:** اہل کتاب بائبل کی رو سے اپنے لئے جنت کا استحقاق ہرگز ثابت نہیں کر سکتے، مثلاً اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ سب ہی اہل کتاب بائبل کی رو سے بے ایمان ہیں تو جنت بے ایمان لوگوں کو تو ملنے سے رہی اور مثلاً اوپر یہ بھی مذکور ہو چکا ہے کہ بائبل والا خدا (معاذ اللہ) جھوٹا، عہد شکن اور دغاباز ہے، خدا کی شان میں یہ کلمات اگر تعریف وتوصیف اور تسبیح وتحمید کی حیثیت رکھتے ہیں تو لازماً انہیں یہ اوصاف اپنے حق میں بھی بہ خوشی قبول کرنے ہوں گے اور اگر یہ کفریہ کلمات ہیں تو بائبل ہی کی کتاب احبار میں ہے ''اور وہ جو خداوند کے نام پر کفر بکے ضرور جان سے مارا جائے۔ ساری جماعت اسے قطعی سنگ سار کرے خواہ وہ دیسی ہو یا پردیسی۔ جب وہ پاک نام پر کفر بکے تو وہ ضرور جان سے مارا جائے'' (۳۴/ ج) پس بائبل کی رو سے سب ہی اہل کتاب جو خدا کے متعلق بائبل کے بعض کفریہ مضامین کو الہامی سمجھتے ہیں وہ خدا کے نزدیک سنگ سار کئے جانے کے لائق ٹھہرتے ہیں، چہ جائے کہ وہ جنت کی امید لگائے بیٹھے ہیں اور مثلاً عیسائیوں کا پولس حضرت یسوعؑ کو (معاذ اللہ) یوں ملعون قرار دیتا ہے ''مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا''۔ (۳۵/ الف) ادھر کتاب احبار میں خدا کو ملعون کہنے والے کے لئے بھی سنگ ساری کی سزا ہے اور حضرت موسیٰ نے ایسے ایک شخص کو لشکر گاہ سے باہر نکالا اور جن لوگوں نے اسے لعنت کرتے سنا تھا سب نے حضرت موسیٰ کے حکم سے اس کے سر پر ہاتھ رکھے اور پھر ساری جماعت نے اسے سنگ سار کیا (۳۵/ ب) عیسائی حضرات چونکہ حضرت یسوعؑ کو خدا اور خدا کا بیٹا بھی کہتے ہیں لہٰذا بہ مطابق کتاب احبار پولس اور اس کے سب ہی عقیدت مند سنگ سار کئے جانے کے لائق ٹھہرتے ہیں چہ جائے کہ وہ جنت میں جانے کے خواب دیکھیں۔ کتاب احبار کے مطابق جو اپنے ماں باپ پر لعنت کرے وہ بھی جان سے مارے جانے کے لائق ہے۔ (۳۵/ ج) اگر حضرت یسوعؑ کو عیسائی حضرات یہاں خدا نہ بھی قرار دیں تو بھی حضرت یسوعؑ کا مقام ومرتبہ ان عیسائیوں کے اپنے ماں باپ سے تو یقیناً بہت بہت بلند ہے۔ اس صورت میں بھی وہ حضرت یسوعؑ کو (معاذ اللہ) لعنتی قرار دے کر ہرگز ہرگز خدا کے نزدیک سنگ ساری کی سزا سے نہیں بچ سکتے۔ اور مثلاً حضرت یسوعؑ کا ارشاد ہے ''میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ایسا کوئی نہیں جس نے گھر یا بھائیوں یا بیٹوں یا ماں یا

باپ یا بچوں یا کھیتوں کو میری خاطر اور انجیل کی خاطر چھوڑ دیا ہو اور اب اس زمانے میں سو گنا نہ پائے گھر اور بھائی اور بہنیں اور مائیں اور بچے اور کھیت مگر ظلم کے ساتھ اور آنے والے عالم میں ہمیشہ کی زندگی'' (۳۶/ الف) عیسائی حضرات کسی ایک حواری کا ہی بتائیں جسے حضرت یسوعؑ کے زمانے یا مستقبل قریب میں اس دنیا میں سو گھر، سو بھائی، سو بہنیں، سو مائیں، سو بچے اور سو کھیت ملے ہوں۔ جب ان (محرف اور جھوٹے) مضامین کی رو سے دنیوی نعمتوں کا وعدہ پورا نہ ہوا تو آنے والے عالم میں ہمیشہ کی زندگی والی بشارت کا بھی قطعاً اعتبار نہ رہا۔ عیسائی کس جنت کی امید لگائے بیٹھے ہیں؟ اور مثلاً انجیل لوقا میں ہے کہ حضرت یسوعؑ کی مبینہ مصلوبیت کے موقع پر اپنے ساتھ سولی پانے والے ایک شخص کو حضرت یسوعؑ نے یہ بشارت سنائی تھی ''میں تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ آج ہی تو میرے ساتھ فردوس میں ہوگا'' (۳۶/ ب) ادھر عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت یسوعؑ تین دن کے لئے (معاذ اللہ) جہنم میں بھی گئے تھے (۳۶/ ج) اس سے تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت یسوعؑ (معاذ اللہ) جہنم کو فردوس کہا کرتے تھے۔ عیسائی حضرات کس جنت کی امید لگائے بیٹھے ہیں؟ اور مثلاً حضرت یسوعؑ نے اپنے بارہ حواریوں کو یوں بشارت دی تھی ''تو تم بھی جو میرے پیچھے ہو لئے ہو بارہ تختوں پر بیٹھ کر اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا انصاف کرو گے'' (۳۷/ الف) حال آں کہ ان ہی بارہ ساتھیوں میں سے یہوداہ اسکریوتی بعد میں غدار اور لالچی ثابت ہوا تھا اور اسی نے حضرت یسوعؑ کو صرف تیس روپیہ کے عوض دشمنوں کے ہاتھوں پکڑا دیا تھا (۳۷/ ب) جب ان (محرف) اناجیل کی رو سے یہوداہ اسکریوتی کے حق میں حضرت یسوعؑ کی بشارت پوری نہ ہوئی تو دیگر حواریوں کے متعلق بھی اس کا اعتبار نہ رہا۔ اور مثلاً اسی مضمون میں اوپر ہم معلوم کر چکے ہیں کہ اناجیل کی رو سے حضرت یسوعؑ سرے سے (معاذ اللہ) سچے مسیح ہی ثابت نہیں ہوتے تو ان کی کسی بھی بشارت کا (معاذ اللہ) کوئی اعتبار نہ رہا۔ مزید تفصیل درکار ہو تو اس سلسلۂ مضامین میں عقیدۂ آخرت کے ذیلی عنوان ''جنت کا استحقاق'' کے تحت مباحث کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے (۳۷/ ج) جب اہل کتاب اپنے لئے جنت کا استحقاق ہی بائبل سے ثابت کرنے سے قاصر ہیں تو ہمارے مسیحی بھائی جنت کی امید لگائے بیٹھے ہوں اور یہ سمجھ رہے ہوں کہ ان کے مذہبی پیشواؤں کو ان کے گناہ معاف کرنے کے اختیارات واقعی حاصل ہیں اور ان کے مذہبی پیشوا اپنا قیمتی وقت اور کثیر سرمایہ اس بائبل کی نشر و اشاعت پر لگا رہے ہوں جو انہیں کسی جنت میں پہنچانے کی بہ جائے الٹا خدا کے نزدیک سنگ سار کئے جانے کے لائق ٹھہراتی ہو تو ان تمام حقائق کے پیش نظر ہمیں بتایا جائے کہ مجنون کون ہے؟

۷۔ بہ حوالہ ''بائبل اور توہین انبیاء'': بائبل میں حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کے خاندانوں پر شرم ناک بہتان تراشی کی گئی ہے، مثلاً کتاب پیدائش میں حضرت نوحؑ پر (معاذ اللہ) شراب پی کر ننگے ہونے کا بہتان لگایا گیا ہے (۳۸/ الف) اور مثلاً اسی کتاب میں حضرت لوطؑ پر اپنی دو بیٹیوں کے ہاتھوں شراب پی کر اس کے نشے کے زیر اثر ان سے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) زنا کا بہتان لگایا ہے (۳۸/ ب) اور مثلاً اسی کتاب میں حضرت یعقوبؑ پر بہتان لگایا گیا ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ اپنے بڑے بھائی عیسو کی بھوک اور لاچاری سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے روٹی اور مسور کی دال کے عوض نبوت سمیت پہلوٹھے بیٹے کے تمام حقوق خرید لئے تھے۔ (۳۸/ ج) اور مثلاً اسی کتاب پیدائش میں حضرت یعقوبؑ کی صاحبزادی دینا پر (معاذ اللہ) آوارہ گردی اور امیر حموی حمور کے بیٹے سکم سے (معاذ اللہ) بدکاری کا بہتان لگایا گیا ہے (۳۹/ الف) اور مثلاً اسی کتاب پیدائش میں حضرت یعقوبؑ کے صاحب زادے روبن پر اپنی سوتیلی ماں بلہاہ سے بدکاری کا بہتان لگایا گیا ہے (۳۹/ ب) اور مثلاً اسی کتاب پیدائش میں حضرت یعقوبؑ کے صاحب زادے یہوداہ پر اپنی بہو تمر سے بدکاری کا بہتان لگایا گیا ہے (۳۹/ ج) اور مثلاً اسی کتاب پیدائش میں حضرت یعقوبؑ کے پورے گھرانے پر بت پرستی کا بہتان لگایا گیا ہے۔ (۴۰/ الف) اور مثلاً کتاب خروج میں حضرت ہارونؑ پر سونے کا بچھڑا تیار کرا کر اسے (معاذ اللہ) معبود اور دیوتا ٹھہرانے کا بہتان لگایا گیا ہے (۴۰/ ب) اور مثلاً کتاب گنتی میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ دونوں پر بہتان لگایا گیا ہے کہ انہوں نے (معاذ اللہ) خدا کی نافرمانی کی تھی (۴۰/ ج) اور مثلاً کتاب سموئیل دوم میں حضرت داؤدؑ پر بہتان لگایا گیا ہے کہ وہ شاہی محل کی چھت پر چڑھے تو ان کی نظر اوریاہ کی نہایت خوب صورت بیوی بت سبع پر پڑی تو اپنے آدمیوں کو بھیج کر اس عورت کو پکڑوالیا اور (معاذ اللہ) اس سے زنا کیا اور بعد میں اس کے خاوند کو ایک حیلے سے قتل کروادیا پھر اس کی بیوی بت سبع سے شادی رچالی (۴۱/ الف) اور مثلاً اسی کتاب سموئیل دوم میں حضرت داؤدؑ کے بڑے بیٹے امنون پر اپنی سوتیلی بہن تمر سے (معاذ اللہ) زنا بالجبر کا بہتان لگایا گیا ہے (۴۱/ ب) اور مثلاً اسی کتاب سموئیل دوم میں حضرت داؤدؑ کے دوسرے بیٹے ابی سلوم پر یہ بہتان لگایا گیا ہے کہ (معاذ اللہ) اس نے علانیہ اپنی تمام ماؤں سے زبردستی زنا کیا (۴۱/ ج) اور مثلاً کتاب سلاطین اول میں حضرت سلیمانؑ پر (معاذ اللہ) فحاشی اور اپنی بیویوں کے زیر اثر بت پرستی اور بت خانے تعمیر کرانے کا بہتان لگایا گیا ہے۔ (۴۲/ الف) بائبل کے بعض خبیث مضامین میں حضرات انبیاء علیہم السلام کو (معاذ اللہ) دہشت گرد، ظالم اور سفاک ظاہر کیا

گیا ہے۔ مثلاً کتاب گنتی میں حضرت موسیٰ کا فرمان یوں دیا گیا ہے ''اس لئے ان بچوں میں جتنے لڑکے ہیں سب مار ڈالو اور جتنی عورتیں مرد کا منہ دیکھ چکی ہیں ان کو قتل کر ڈالو لیکن ان لڑکیوں کو جو مرد سے واقف نہیں اور اچھوتی ہیں اپنے لئے زندہ رکھو'' (۴۲/ ب) اور مثلاً حضرت یشوعؑ کے متعلق بائبل میں ہے ''اور انہوں نے ان سب کو جو شہر میں تھے کیا مرد اور کیا عورت کیا جوان کیا بڈھے کیا بیل کیا بھیڑ کیا گدھے سب کو تلوار کی دھار سے بالکل نیست کر دیا''، (۴۲/ ج) اور مثلاً کتاب سموئیل دوم میں حضرت داؤدؑ کے متعلق لکھا ہے ''اور اس نے ان لوگوں کو جو اس میں تھے باہر نکال کر ان کو آروں اور لوہے کے کلہاڑوں کے نیچے کر دیا اور ان کو اینٹوں کے پزاوے میں سے چلوایا اور اس نے بنی عمون کے سب گھروں سے ایسا ہی کیا'' (۴۳/ الف) ہم قبل ازیں معلوم کر چکے ہیں کہ اہل کتاب بائبل کی رو سے ہرگز اپنا سچا مومن ہونا ثابت نہیں کر سکتے وہ ہرگز اپنے لئے جنت کا استحقاق بھی ثابت نہیں کر سکتے، بل کہ وہ سب خدا کے نزدیک سنگ سار کئے جانے کے لائق ٹھہرتے ہیں۔ وہ موجودہ اناجیل سے حضرت یسوعؑ کو ہرگز معصوم عن الخطاء بل کہ سچا مسیح تک نہیں ثابت کر سکتے۔ ان سب امور کے لئے وہ قرآن کریم کا سہارا لینے پر مجبور ہیں جو ہر طرح کے لاینحل اختلافات وتضادات اور ہر قسم کے لغو اور بے ہودہ مضامین سے پاک محفوظ آسمانی کتاب ہے۔ اس کے باوجود وہ اپنی اس محسن کتاب قرآن کریم اور صاحب قرآن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اسلام اور مسلمانوں سے دشمنی کا رویہ اپنائے ہوئے ہیں وہ خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ مجنون کون ہے؟ بائبل میں حضرات انبیاء علیہم السلام پر شرمناک الزامات کے ہم اوپر خاصی تعداد میں نمونے پیش کر چکے ہیں۔ مزید تفصیل درکار ہو تو اس سلسلہ مضامین میں ''بائبل اور توہین انبیاء'' نیز ''بائبل اور دہشت گردی'' کے عنوانات کے تحت مباحث کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے (۴۳/ ب) بائبل کے برعکس قرآن کریم میں تمام انبیاء علیہم السلام کو نہایت پاکیزہ اور اپنے زمانے کے بہترین لوگ قرار دیا گیا ہے۔ ان کی عزت واحترام کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اناجیل کے (جھوٹے) مضامین کے مطابق حضرت یسوعؑ کو (معاذ اللہ) انتہائی، ذلت آمیز انداز میں طمانچے، مکے اور کوڑے کھاتے، سر پر کانٹوں کا تاج رکھتے، لوگوں کو ان پر تھوکتے، ان کا مذاق اڑاتے اور بالآخر انتہائی بے بسی کے عالم میں مصلوب ہوتے دکھایا گیا ہے اور مسیحی عقائد کے مطابق وہ تین دن کے لئے (معاذ اللہ) جہنم میں بھی رہے تھے جب کہ بہ مطابق قرآن کریم حضرت یسوع (عیسیٰ) ہرگز ہرگز کسی کے ہاتھوں مصلوب ومقتول نہیں ہوئے۔ وہ دنیا اور آخرت دونوں میں باوقار ہیں۔ بائبل اہل کتاب کو یہ بتا رہی ہے کہ اسرائیلی انبیاء اور ان کے خاندان (معاذ اللہ ثم معاذ

اللہ) زانی، شرابی، سنگ دل، دہشت گرد، ظالم اور سفاک تھے۔ زنا کاری ان کے خاندانوں کا (معاذ اللہ) نہایت محبوب مشغلہ تھا اور اس شغل میں وہ ماں، بیٹی، بہن اور بہو میں کوئی تمیز نہیں کرتے تھے۔ قرآن کریم انہیں بتا رہا ہے کہ اسرائیلی انبیاء سمیت تمام انبیاء اپنے وقت کے نہایت ہی صالح اور خدا کے مقرب بندے تھے لیکن سخت تعجب ہے کہ اہل کتاب بائبل کے ان بہتان تراش مؤلفین سے نہایت محبت وعقیدت رکھتے ہیں جنہوں نے ان کے بزرگوں پر غلیظ کیچڑ اچھالا ہے اور وہ اپنے ہی اسرائیلی نبیوں کی سخت ترین توہین وتذلیل پر مشتمل اس بائبل کی نشر واشاعت اور دنیا بھر کی زبانوں میں اس کے تراجم پھیلانے اور نام نہاد مشنری ادارے کھولنے میں نہایت ہی دل چسپی رکھتے ہیں اور قرآن کریم جو اسرائیلی پیغمبروں کی پاک دامنی اور ان کی حرمت وعظمت کا ببانگ دہل اعلان کرتا ہے، اسی قرآن سے متعصب اہل کتاب سخت دشمنی اور غیر متعصب اہل کتاب لاتعلقی کا رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص ان لوگوں سے نہایت عقیدت ومحبت کا اظہار کرے اور ان سے بغل گیر ہونے میں نہایت خوشی محسوس کرے جو اس کے بزرگوں کو زانی، شرابی اور ظالم وسفاک ہونے کی مغلظ گالیاں دیتے ہوں جو ان کے بزرگوں اور پیشواؤں کو ملعون تک کہنے سے بھی نہ چوکتے ہوں اور یہی شخص ان لوگوں سے شدید عداوت رکھے جو اس کے منصب نبوت پر فائز بزرگوں کو نہایت پاکیزہ اور عظیم انسان قرار دیتے ہوں۔ کیا عقل سلیم رکھنے والا ہر شخص اس طرح کے طرز عمل اور رویے کو مضحکہ خیز قرار نہیں دے گا؟ ان حقائق کے پیش نظر اہل کتاب ہی اس گتھی کو سلجھائیں کہ مجنون کون ہے؟

۸۔ بہ حوالہ بائبل کے خلاف عقل اور مضحکہ خیز مضامین: بائبل کے بہت سے مضامین نہایت ہی لغو، خلاف عقل بل کہ مضحکہ خیز ہیں مثلاً کتاب یسعیاہ میں ہے کہ یسعیاہ نبی لگاتار تین سال تک (معاذ اللہ) ننگے بدن اور بے پردہ سرینوں کے ساتھ لوگوں میں گھومتے پھرتے رہے (۴۳/ ج) اور مثلاً کتاب ہوسیع میں ہوسیع نبی کے متعلق ہے کہ خدا نے انہیں (معاذ اللہ) ایک بدکار بیوی اور بدکاری کی اولاد حاصل کرنے کا حکم دیا تھا (۴۴/ الف) اور مثلاً کتاب حزقی ایل کے مطابق خدا نے حضرت حزقی ایل کو تین سو نوے دن تک لگاتار ایک روٹی (معاذ اللہ) انسان کی نجاست سے پکا کر کھانے کا حکم دیا تھا پھر حزقی ایل کی منت وزاری پر خدا نے یہ حکم دیا کہ چلو پھر گوبر سے یہ روٹی پکایا کرو (۴۴/ ب) اور مثلاً بہ مطابق کتاب پیدائش حضرت نوح (معاذ اللہ) شراب پی کر اپنے ڈیرے میں ننگے ہو گئے تو ان کے بیٹے حام نے انہیں اس برہنہ حالت میں دیکھ لیا۔ بعد میں جب حضرت نوح کو ہوش آیا تو حام کو کچھ نہیں

کہا لیکن اس کے بیٹے یعنی اپنے پوتے کنعان کو ناحق ملعون قرار دے ڈالا، اور یہ پیشین گوئی بھی فرمادی کہ کنعان اپنے بھائیوں کے غلاموں کا بھی غلام ہوگا۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ یہاں کرے کوئی اور بھرے کوئی والی کہاوت بھی چسپاں نہیں ہوتی، کیوں کہ حام نے اپنے باپ کو ننگا دیکھ کر ان پر چادر ڈال کر پردہ پوشی کی تھی (۴۴/ ج) بالفرض حام کا قصور تسلیم بھی کرلیا جائے تو حضرت نوحؑ نے اس کی سزا حام کی بہ جائے اس کے بیٹے اور اپنے پوتے کنعان کو کیوں دے ڈالی؟ اور مثلاً یہ مطابق کتاب پیدائش یہوواہ کا بیٹا عیر خدا کی نگاہ میں شریر تھا اس لئے خدا نے اسے ہلاک کردیا۔ تب یہوواہ نے اپنے دوسرے بیٹے اونان کی شادی دستور کے مطابق عیر کی بیوہ اوراپنی بہو تمر سے کردی۔ لیکن اونان اپنی بیوی تمر سے اولاد نہیں چاہتا تھا اس لئے ضبط ولادت کے لئے جب وہ اپنی بیوی کے پاس جاتا تو اپنے نطفے کو زمین پر گرادیتا۔ اس پر خدا نے اونان کو بھی ہلاک کردیا۔ اس کے بعد سلسلۂ واقعات میں یہوواہ نے اپنی اس بیوہ بہو تمر سے (معاذ اللہ) زنا کیا جس سے دو جڑواں لڑکے فارض اور زارح پیدا ہوئے (۴۵/ الف) اناجیل متی اور لوقا میں حضرت یسوعؑ کا نسب نامہ اسی فارض بن یہوواہ سے ملایا گیا ہے ((۴۵/ ب) اور مثلاً اسی کتاب پیدائش میں حضرت لوطؑ کو (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) شراب کے نشے کے زیر اثر اپنی دو بیٹیوں سے بدکاری کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے جس سے دو لڑکے موآب اور بن عمی پیدا ہوئے (۴۵/ ج) ادھر اناجیل میں حضرت یسوعؑ کے نسب نامے میں بوعز اور عوبید کے نام بھی شامل ہیں اور یہ عوبید حضرت داؤدؑ کا دادا ہے۔ حضرت داؤدؑ کا نام بھی اسی نسب نامے میں موجود ہے (۴۶/ الف) پرانے عہد نامے کی کتاب رُوت سے یہ معلوم ہورہا ہے کہ بوعز نے موآب کی نسل میں پیدا ہونے والی ایک موآبی خاتون رُوت سے شادی کی تھی اور اسی موآبی خاتون کے بطن سے بوعز کا بیٹا عوبید پیدا ہوا تھا (۴۶/ ب) اسی نسب نامے میں حضرت داؤدؑ کے صاحب زادے حضرت سلیمانؑ اور ان کے بیٹے رحُبعام کے نام بھی شامل ہیں۔ (۴۶/ ج) پرانے عہد نامے کی کتاب سلاطین اول کے مطابق رحُبعام کی والدہ کا تعلق بنی عمون سے ہے (۴۷/ الف) بنی عمون حضرت لوطؑ کے (معاذ اللہ) ناجائز بیٹے بن عمی کی نسل ہے۔ اور مثلاً حضرت یسوعؑ کے نسب نامے میں حضرت داؤدؑ بھی شامل ہیں جنہوں نے بہ مطابق بائبل اپنے ہمسائے کی بیوی بت سبع سے (معاذ اللہ) زنا کیا تھا جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا تھا تو چونکہ وہ زنا کی پیداوار تھا اس لئے خدا نے اس لڑکے کو ہلاک کردیا (۴۷/ ب)

اب دیکھئے کہ یہوواہ کے بیٹے اونان نے ضبط ولادت کے طریقے پر عمل کیا اور اپنی بیوی سے اولاد

کا ہونا پسند نہ کیا تو خدا کو بہ مطابق بائبل اس قدر غصہ آیا کہ اونان کو ہلاک کر ڈالا اور حضرت داؤد نے (معاذ اللہ) جو بت سبع سے زنا کیا تھا وہ بھی خدا کو اس قدر ناگوار گزرا کہ بت سبع سے پیدا ہونے والے حضرت داؤدؑ کے بیٹے کو مار ڈالا، حال آں کہ قصور تو زانی والدین کا ہوتا ہے لیکن خدا نے حضرت داؤدؑ اور بت سبع کو تو زندہ رکھا لیکن ان کے بیٹے کو ناحق مار ڈالا۔ ادھر یہوواہ نے اپنی بہو تمر سے زنا کیا تو بہ مطابق بائبل خدا کو یہوواہ کا یہ فعل اس قدر پسند آیا کہ نہ صرف یہوواہ اور تمر کو بلکہ اس مبینہ زنا سے پیدا ہونے والے جڑواں لڑکوں فارض اور زارح کو زندہ رکھا، بل کہ اسی فارض کی نسل سے حضرت داؤدؑ، سلیمانؑ اور دیگر اسرائیلی انبیاء کو پیدا فرمایا بل کہ حضرت یسوعؑ بھی اسی فارض کی نسل سے پیدا ہو گئے جنہیں عیسائی حضرات خدا اور خدا کا بیٹا بھی کہتے ہیں۔ اسی طرح بہ مطابق بائبل خدا نے حضرت لوطؑ اور ان سے ان کی بیٹیوں سے پیدا ہونے والے مبینہ بیٹوں موآب اور بن عمی کو نہ صرف زندہ رکھا بل کہ ان کی نسل سے بھی حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ جیسے انبیاء کا سلسلہ یوں جوڑ دیا کہ حضرت یسوعؑ سے بھی ان کا ننھیال رشتہ قائم ہو گیا۔ خدا نے حضرت لوطؑ کی ان دونوں بیٹیوں کو بھی زندہ رکھا جنہوں نے بہ مطابق بائبل اپنے باپ کو شراب پلا کر ان سے (معاذ اللہ) ہم آغوشی کی تھی۔ یعنی اونان کا تو اپنی بیوی سے اولاد چاہنا خدا کو سخت ناگوار گزرا لیکن یہوواہ اور حضرت لوطؑ کا مذکورہ فعل خدا کو نہایت پسند آیا۔ خدا نے یہوواہ کے بیٹے عیر کو تو اس لئے ہلاک کر دیا کہ وہ شریر تھا مگر اس کی کوئی شرارت بیان نہیں کی، یعنی بہ مطابق بائبل خدا کے نزدیک کسی کا اپنی بیٹیوں سے، کسی کا اپنی بہو سے اور کسی کا اپنے ہمسائے کی بیوی سے زنا کرنا اور پھر اس کے خاوند کو دھوکے سے قتل کروا کر اس کی بیوی سے شادی رچا لینا، کسی کی بیٹیوں کا اپنے باپ کو شراب پلا کر اس سے ہم آغوش ہونا، کسی کا اپنی سوتیلی بہن سے زنا بالجبر کرنا، کسی کا اپنی سب سوتیلی ماؤں سے زنا بالجبر کرنا وغیرہ قطعاً شرارت کے زمرے میں نہیں آتا۔ بہ مطابق بائبل خدا زانی جوڑوں کو تو کوئی سزا نہیں دیتا لیکن زنا سے پیدا ہونے والے بچے کو کبھی وہ ناحق ہلاک کر دیتا ہے جیسے اس نے حضرت داؤدؑ کے بت سبع سے پیدا ہونے والے لڑکے کو مار ڈالا اور کبھی وہ زنا کی پیداوار پر اس قدر (معاذ اللہ) خوش ہو جاتا ہے کہ ایسے لوگوں کی نسل میں نہ صرف پیغمبروں کو بل کہ عیسائی عقائد کے مطابق خداوند یسوعؑ کو بھی شامل فرما دیتا ہے۔

خدا بہ مطابق بائبل (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) زنا کا شغل اختیار کرنے والے نبیوں کو تو ہلاک نہیں کرتا لیکن اپنی بیوی سے اولاد نہ چاہنے والوں کو وہ ناحق مار دیتا ہے، جیسے اس نے یہوواہ کے بیٹے اونان کو اسی

جرم کی پاداش میں ہلاک کر دیا۔ بائبل میں زانیوں کے لئے سنگ ساری کی سزا بیان کی گئی ہے لیکن حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کے گھرانوں کے دیگر افراد زنا کو بہ مطابق بائبل ایک طرح کا (معاذ اللہ) مشغلہ (Hobby) بنالیں اور اس شغل میں ماں، بہن، بیٹی اور بہو کے مقدس رشتوں تک کو پامال کر ڈالیں تو وہ کسی بھی طرح کی سزا سے بہر حال محفوظ و مامون ہیں۔ کیسی تقو اور نامعقول تعلیم ہے!! بات بائبل کے فحش، خلاف عقل اور مضحکہ خیز مضامین کی چل رہی تھی تو اور مثلاً بہ مطابق کتاب سموئیل اول حضرت داؤدؑ نے ساؤل کی بیٹی میکل سے نکاح کیا تو اپنے خسر ساؤل کی خواہش کے احترام میں دوسو فلسطینیوں کو قتل کر کے ان کے آلات تناسل کی دوسو کھلڑیاں (Fore srins) بطور مہر اسے پیش کیں (۴۷/ ج) اور مثلاً بہ مطابق انجیل یوحنا کائفا نام کا ایک یہودی سردار کاہن ہی نہیں بل کہ نبی بھی تھا اور اس نے اپنی طرف سے نہیں، بل کہ ازراہ نبوت یہ کہا تھا کہ یسوع اس قوم کے واسطے مرے گا، (۴۸/ الف) اسی کائفا نے (عیسائی عقائد کے مطابق اپنے خدا) خداوند یسوعؑ پر کفر کا فتویٰ دیا اور اظہار نفرت کے طور پر اپنے کپڑے پھاڑے اور اسی کے اشارے پر لوگوں نے (اناجیل کے جھوٹے مضامین کے مطابق) حضرت یسوعؑ کے منہ پر تھوکا، انہیں مکے اور طمانچے مارے وغیرہ۔ پھر رومی گورنر پیلاطس کے ذریعے انہیں مصلوب کرایا، یعنی بہ مطابق اناجیل خدا نے اپنے نبی کائفا کو یہ حکم صادر فرمایا تھا کہ تم اپنے خداوند یسوعؑ کے خلاف کفر کا فتویٰ دو اس سے اظہار نفرت کے لئے اپنے کپڑے پھاڑو، لوگوں سے اس کی خوب خوب تذلیل وتوہین کرا کر پھر کوڑے لگوا کر اسے مصلوب کراؤ۔ اگر حضرت یسوعؑ سے عیسائیوں کے خیال کے مطابق اس وقت خدائی عنصر نکل گیا تھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جوں ہی یہ خدائی عنصر حضرت یسوعؑ کے جسم سے نکلا تو فوراً آپ کی زبان پر (معاذ اللہ) کفر کے کلمات جاری ہو گئے کہ خدا کے نبی کائفا کو آپ پر کفر کا فتویٰ لگانا پڑا اور کفر سے نفرت کے اظہار کے لئے اپنے کپڑے پھاڑنے پڑے۔ بائبل کے مزید مضحکہ خیز اور خلاف عقل مضامین کا مطالعہ مقصود ہو تو اس سلسلۂ مضامین میں عنوان ''بائبل کے مزید مضحکہ خیز اور خلاف عقل مضامین'' کے تحت مباحث کا مطالعہ چشم کشا ہوگا (۴۸/ ب) اہل کتاب ان لغو باتوں کو الہامی اور مقدس سمجھتے ہیں اور ان کی دنیا بھر کی زبانوں میں نشر واشاعت پر ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ وہ خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ مجنون کون ہے؟

۹۔ بہ حوالہ خود فریبی: کچھ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی خارجی وحی کا نزول نہیں ہوا کرتا تھا بل کہ بہ قول ان کے گہرے غور وفکر سے آپ کے ضمیر کی آواز آپ کی زبان

پر کلمات جاری کر دیتی تھی جسے آپ (معاذ اللہ) غلطی سے خارجی وحی سمجھتے تھے۔ یہ حضرات سنگین نوعیت کی خود فریبی میں مبتلا ہیں۔ اس سلسلے میں درج ذیل امور توجہ طلب ہیں۔

(الف) غور وفکر اور مراقبہ اختیاری امر ہے۔ اگر اس غور وفکر سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمیر کی آواز آپ کی زبان پر جاری ہو جایا کرتی تھی تو اس میں تسلسل برقرار رہنا چاہئے تھا، حال آں کہ پہلی وحی کے بعد کوئی دو سال تک وحی کا نزول نہ ہوا جسے دَورِ فترتِ وحی کہا جاتا ہے۔

(ب) اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی والی کیفیت اپنی قوم کی گم راہیوں اور شرک پر عمیق غور وفکر سے پیدا ہوتی تھی تو سب سے پہلی وحی اور دورِ فترت کے بعد دوسری وحی میں توحید کی تعلیم اور شرک کی تردید کا کھلا مضمون ہونا چاہئے تھا، لیکن اولیں وحی سورۂ علق کی ابتدائی آیات میں ایسا مضمون نہیں اور کوئی دو سال کے طویل عرصے کے بعد نازل ہونے والی وحی سورہ مدثر کی ابتدائی آیات میں بھی ایسا کوئی واضح مضمون نہیں ہے۔

(ج) قرآن کریم میں مستقبل کی کوئی ایک دو خبریں نہیں بل کہ ایسی خبروں کی بھرمار ہے۔ پھر اس میں ایسی خبریں بھی ہیں جن کو واقع نہ ہونے دینا بہ ظاہر مخالفین کے پورے اختیار میں تھا لیکن وہ پھر بھی پوری ہو کر رہیں۔ پھر ایسی خبریں بھی ہیں کہ لوگ تا قیامت انہیں نہیں جھٹلا سکتے۔ ہم اس سلسلے میں عنوان ''مستقبل کی خبریں'' کے تحت ایسی قرآنی خبروں اور پیشین گوئیوں کو قدرے تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ (۴۸/ ج) لہٰذا یہاں صرف چند اشارات پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ مثلاً سورہ روم کی ابتدائی آیات میں ایرانیوں کے مقابلے میں شکست خوردہ رومیوں کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ چند سالوں کے اندر ہی رومی دوبارہ غالب آجائیں گے (۴۹/ الف) چناں چہ ایسا ہی ہوا۔ اور مثلاً ہجرت مدینہ کے صبر آزما مرحلے پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے یہ وعدہ فرمایا کہ بے شک جس نے قرآن تجھ پر اتارا ہے وہ ضرور آپ کو دوبارہ پہلی جگہ پر لانے والا ہے (۴۹/ ب) چناں چہ ۸ ہجری قمریہ شمسی میں آپ دس ہزار صحابہ کرامؓ کے ہم راہ نہایت عزت واحترام اور تزک واحتشام سے مکہ مکرمہ میں فاتحانہ داخل ہوئے، حال آں کہ ہجرت کے موقع پر اس کے دور دور تک آثار نظر نہیں آتے تھے، اور مثلاً مدینے کے یہودیوں سے کہا گیا کہ اگر وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنت صرف ان ہی کے لئے مخصوص کر رکھی ہے تو وہ موت مانگ کر اپنا سچا ہونا ثابت کریں اور ساتھ ہی یہ خبر بھی دی گئی کہ وہ موت کی تمنا ہرگز نہیں کریں گے (۴۹/ ج) چناں چہ ایسا ہی ہوا۔ اور مثلاً غزوہ بنی نضیر کے موقع پر کہا گیا کہ منافقین یہودیوں سے یہ وعدہ کر رہے ہیں کہ اگر مسلمانوں سے

تمہاری جنگ ہوئی تو ہم ضرور بالضرور تمہاری مدد کو آئیں گے اور اگر تمہیں مدینے سے جلاوطن کیا گیا تو ہم بھی ضرور بالضرور تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے اور اس بارے میں کسی کی بھی بات نہیں مانیں گے، اور ساتھ ہی قرآن کریم میں یہ خبر بھی دے دی گئی کہ یہ منافقین جھوٹے ہیں وہ ہرگز یہودیوں سے اپنے ان وعدوں پر عمل نہیں کریں گے (۵۰/ الف) چناں چہ ایسا ہی ہوا اور کوئی بھی منافق بنی نضیر کے ہم راہ مدینے سے جلاوطن نہیں ہوا۔ اور مثلاً مکہ مکرمہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد زندہ نہ رہی تو مخالفین نے آپ کو طعنہ دیا کہ آپ کی نرینہ نسل منقطع ہوگئی اس لئے آپ کا نام ونشان مستقبل میں باقی نہیں رہے گا۔ لیکن سورہ کوثر میں آپ کو خبر دی گئی کہ آپ نہیں بل کہ آپ کے دشمنوں کا ہی نام ونشان نہیں رہے گا اور سورہ انشراح میں آپ کو بشارت دی گئی کہ ہم نے آپ کے ذکر کو بلند و بالا کر دیا ہے (۵۰/ ب) چناں چہ ایسا ہی ہوا۔ دنیا بھر میں روزانہ کروڑوں مرتبہ آپ کے نام لیوا نہایت محبت وعقیدت سے آپ پر صلوٰۃ واسلام بھیجتے ہیں۔ آپ کے دور کے مخالفین کی اکثریت بالآخر آپ کے فرماں برداروں میں شامل ہوگئی اور جو کفر پر ڈٹے رہے ان کا نام ونشان نہ رہا۔ اور مثلاً قرآن کریم کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا (۵۰/ ج) تو اس خبر کے عین مطابق اس کی حفاظت کے حیران کن ظاہری اسباب پیدا ہوگئے، جب کہ دنیا کی اور کسی آسمانی کتاب کو یہ حیثیت ہرگز حاصل نہیں ہے۔ اور مثلاً قرآن کریم میں خبر دی گئی کہ جن وانس مل کر بھی اس قرآن کی نظیر نہیں لا سکتے (۵۰/ د) یہ خبر بھی پوری ہوئی۔ اور مثلاً قرآں کریم میں خبر دی گئی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور آپ پر نزول قرآن کے بغیر اہل کتاب یہود ونصاریٰ اور بت پرست مشرکین ہدایت چاہنے کے باوجود ہرگز کفر سے باز نہیں آسکتے تھے (۵۱/ الف) بالفاظ دیگر ان کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم پر ایمان لائے بغیر تا قیامت اپنا سچا اور صحیح ایمان ثابت کرنا ہرگز ممکن نہیں۔ چناں چہ یہ حقیقت اپنی جگہ پر آج بھی موجود ہے جیسا کہ ہم اسی مضمون میں ''بہ حوالہ ایمان'' کے ذیلی عنوان کے تحت واضح کر چکے ہیں۔ (۵۱/ ب) اور مثلاً یہود ونصاریٰ سے کہا گیا کہ وہ اپنے لئے جنت کا استحقاق ثابت کریں (۵۱/ ج) چناں چہ اہل کتاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم پر ایمان لائے بغیر اپنی (محرف) بائبل سے اپنے لئے جنت کا استحقاق ہرگز ہرگز ثابت نہیں کر سکتے، جیسا کہ ہم زیر نظر مضمون میں ذیلی عنوان ''بہ حوالہ استحقاق جنت'' واضح کر چکے ہیں (۵۲/ الف) الغرض قرآن کریم کی مستقبل کے متعلق خاصی بڑی تعداد میں خبریں سب کی سب حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئیں، حال آں کہ ان میں بیشتر ایسی خبریں بھی تھیں کہ خارجی زمینی حقائق کے تحت ان کا یوں حیرت انگیز طریقے سے

پورا ہونا بہ ظاہر ممکن دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ کسی امی شخص کی زبان پر محض اندرونی ضمیر کی آواز پر خارجی وحی کے بغیر ایسی خبریں ہرگز جاری نہیں ہوسکتیں۔ جو ایسا سمجھتا ہے وہ خود ہی زبردست خود فریبی کا شکار ہے۔

(د) قرآن کریم میں اپنے نزول کے وقت کی بہت سی غیبی خبروں کی بھی بھرمار ہے۔ ان میں منافقین کے مکروفریب، نجی مجالس میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کی سازشوں اور حیلہ بازیوں وغیرہ کو طشت از بام کیا گیا ہے۔ مشرکین اور یہودیوں کے خفیہ حالات بھی بیان کئے گئے ہیں۔ اصلاح اور تربیت کے لئے بعض مخلص مسلمانوں کی قلبی کیفیت بھی ظاہر کی گئی ہے۔ اس کے لئے قرآنی سورتوں آل عمران، النساء، التوبۃ، الاحزاب اور المنافقون وغیرہ کا مطالعہ کافی ہوگا اور ہم نے اس سلسلۂ مضامین میں ''نزول قرآن کے وقت کی خبریں'' کے عنوان کے تحت قدرے تفصیل سے ایسی خبروں کی نشان دہی کی ہے۔ (۵۲/ ب) یہاں چند مثالیں ہی دہرائی جاتی ہیں۔ مثلاً سورۂ منافقون میں ہے کہ یہ (منافقین) وہی ہیں جو کہتے ہیں کہ تم ان (مسلمان مہاجرین) پر مال خرچ نہ کرو جو اللہ کے رسول کے پاس رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ (خود بہ خود مدینے سے) بھاگ جائیں حال آں کہ آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ ہی کے لئے ہیں لیکن منافقین سمجھ نہیں رکھتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم (غزوہ بنی مصطلق سے) واپس مدینے میں لوٹے تو عزت والے ضرور بالضرور ذلیل لوگوں (یعنی بہ قول منافقین مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ آنے والے مسلم مہاجرین) کو وہاں سے نکال باہر کریں گے حال آں کہ عزت اللہ کی ہے، اور اس کے رسول کی اور مومنین کی، لیکن منافقین جانتے نہیں۔ (۵۲/ ج) دیکھئے ان قرآنی مضامین میں جہاں منافقوں کی خلاف اسلام خفیہ سازشوں کو بے نقاب کیا گیا ہے وہیں قرآن کریم کی یہ خبر بھی بالکل درست ثابت ہوئی کہ ان بے سمجھ منافقین کے ارادے اور منصوبے ہرگز پورے نہیں ہوں گے۔ اور مثلاً سورہ آل عمران میں ہے کہ اہل کتاب (یہودیوں) میں سے ایک گروہ کے لوگ (باہم) یہ کہتے ہیں کہ تم اس کتاب (قرآن کریم) پر (دھوکہ دینے کے ارادے سے) دن کے آغاز میں ایمان لے آیا کرو اور دن کے آخر میں اس کا انکار کردیا کرو تاکہ وہ (مسلمان شکوک وشبہات میں پڑکر ایمان سے) باز آجائیں (۵۳/ الف) اور مثلاً اسی سورت میں ہے کہ (اے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیو! مدینے کے) اہل کتاب (یہودیوں) میں سے ایک گروہ کی خواہش یہ ہے کہ کاش (کسی طریقے سے) وہ تمہیں گم راہ کردیں مگر یہ (تم کو تو کیا گم راہ کریں گے) خود اپنے آپ کو ہی گم راہ کررہے ہیں اور (اس کے باوجود احمق اتنے ہیں کہ) وہ (اس کا) شعور نہیں رکھتے۔ (۵۳/ ب) دیکھئے یہاں یہودیوں کی بہ زعم خویش صحابہ کرامؓ کو گم راہ کرنے کی مکروہ

سازشوں کا پول کھولا گیا ہے تو ساتھ ہی یہ خبر بھی دی گئی ہے کہ وہ اپنی ان مذموم کوششوں میں ہرگز کامیاب نہیں ہوں گے چناں چہ ایسا ہی ہوا۔ اور مثلاً سورۂ انفال میں مشرکین مکہ کے متعلق ہے کہ (وہ وقت یاد کرو) جب کافر لوگ (اے محمدؐ!) تیرے متعلق خفیہ تدبیر کر رہے تھے کہ تجھے قید کر لیں یا تجھے قتل کر ڈالیں یا تجھے (مکہ مکرمہ سے) باہر نکال دیں۔ وہ اپنی خفیہ تدبیروں میں لگے ہوئے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب سے زیادہ بہتر تدبیر کرنے والا ہے (۵۳/ ج) اور مثلاً سورہ آل عمران میں ہے کہ (وہ وقت یاد کرو) جب تم (مسلمانوں) میں سے دو جماعتوں (بنو حارثہ اور بنو سلمہ) نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ (اس غزوۂ احد کے موقع پر) بزدلی دکھائیں (اور جہاد میں شریک نہ ہوں) حال آں کہ اللہ ان دونوں (جماعتوں) کا دوست (اور کارساز) ہے (اس لئے اس گناہ سے انہیں بچا لیا) اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے (۵۴/ الف) الغرض نزول قرآن کے زمانے کی اس طرح کی خبروں کی بھی قرآن کریم میں بھرمار ہے۔ کوئی شخص خصوصاً جو امّی بھی ہو، خارجی آسمانی وحی کے بہ غیر محض مراقبے اور اندرونی توجہ کے زور پر ایسی ٹھیک ٹھیک خبریں ہرگز نہیں دے سکتا۔ جو شخص ایسا سمجھتا ہے اسے سمجھ لینا چاہئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی مغالطے کا شکار نہیں تھے، بل کہ وہ خود ہی خطرناک قسم کی خود فریبی میں مبتلا ہے اور اس کی بھلائی اسی میں مضمر ہے کہ اگر اسے اخروی نجات وفلاح عزیز ہے تو جلد از جلد اس فریبِ نفس سے باہر نکلے۔

(ہ) قرآن کریم میں سابقہ امتوں اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے متعلق خبروں کی بھی بھرمار ہے جیسا کہ ہم نے اس سلسلۂ مضامین میں امم سابقہ کے عنوان کے تحت واضح کیا ہے۔ (۵۴/ ب) اور بہت سی ایسی خبروں کے متعلق قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ یہ خبریں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ ذریعہ وحی دی جارہی ہیں ورنہ آپ کو اس سے پہلے ان کا کچھ علم نہ تھا۔ مثلاً سورۂ یوسف میں ہے کہ ہم تیرے سامنے بہترین بیان (قصۂ یوسف) پیش کرتے ہیں اس لئے کہ ہم نے تیری طرف یہ قرآن وحی کے ذریعے نازل کیا ہے اور یقیناً تو اس سے پہلے (اس واقعے کے متعلق) بے خبر لوگوں میں سے تھا۔ (۵۴/ ج) اور مثلاً سورۂ عنکبوت میں ہے کہ (اے پیغمبر!) اس (قرآن) سے پہلے تو کوئی کتاب نہ پڑھتا تھا اور نہ ہی تو کسی کتاب کو اپنے ہاتھ سے لکھتا تھا کہ (جس سے) باطل پرست لوگ کسی شک وشبہ میں پڑتے۔ (۵۵/ الف) اور مثلاً سورۂ یونس میں ہے کہ یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ اللہ (کی وحی) کے بغیر (اپنی طرف سے ہی) گھڑ لیا گیا ہو، بل کہ یہ تو ان کتابوں (کے اصل مضامین) کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے نازل

ہوچکی ہیں اور کتاب (کے ضروری احکام ومسائل) کی تفصیل بیان کرنے والا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ رب العالمین کی طرف سے ہے (۵۵/ب) اور مثلاً سورۂ بقرہ میں حضرت داؤد، طالوت اور جالوت کے متعلقہ احوال بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے کہ یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم تجھ پر ٹھیک ٹھیک پڑھتے ہیں اور تو یقیناً رسولوں میں سے ہے۔ (۵۵/ج) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے۔ آپ نے امم سابقہ کے متعلق قرآنی خبریں پہلے سے سیکھ نہیں رکھی تھیں۔ اگر قرآن وحی کے ذریعے نازل نہ ہوا ہوتا تو مخالفین مذکورہ طرز کے مضامین پر فوراً چونک اٹھتے اور اپنی پوری توانائیاں یہ معلوم کرنے میں لگا دیتے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن میں مذکور فلاں واقعہ، فلاں مضمون، فلاں بات کو فلاں فلاں سے حاصل کیا تھا۔ اگر وہ ایسی کوئی ایک مثال ہی قطعی اور یقینی ذرائع سے پیش کر دیتے تو خود مسلمانوں کا ایمان بھی (معاذ اللہ) متزلزل ہو جاتا۔ لیکن کوئی ایک بھی ایسی مثال نہ مل پانا قطعیت سے ثابت کر رہا ہے کہ قرآن کریم اللہ کا کلام ہے۔ نیز اہل کتاب نے امم سابقہ کے واقعات میں جو تحریف کر ڈالی تھی قرآن نے اسے بھی واضح کیا ہے۔ مثلاً بائبل کے مضامین کے مطابق حضرت یسوعؑ (عیسیٰ) کو ان کے دشمنوں نے ان کی خوب خوب تذلیل وتوہین کے بعد مصلوب کر دیا تھا اور مثلاً بائبل کے نئے عہد نامے میں پولس نے تثلیث یعنی تین خداؤں (باپ، بیٹا اور روح القدس) کی تعلیم دی ہے۔ اس کے برعکس قرآن کریم میں بتایا گیا ہے کہ حضرت یسوعؑ ہرگز ہرگز مصلوب ومقتول نہیں ہوئے، یہ یہودیوں (اور عیسائیوں) کا جھوٹا دعویٰ ہے بل کہ اللہ نے انہیں اپنی طرف اٹھا لیا تھا۔ وہ دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں باعزت اور باوقار ہیں۔ کوئی ان کی توہین وتذلیل پر قادر نہیں ہوا۔ انہوں نے سچی توحید کی تعلیم دی تھی جو لوگ تین خداؤں (تثلیث) کے قائل ہیں اور جو حضرت یسوعؑ (عیسیٰ ابن مریم) کو خدا قرار دیتے ہیں وہ کفر کا ارتکاب کرتے ہیں۔ (۵۶/الف) کوئی امی شخص خارجی آسمانی وحی کے بغیر مستقبل، حال اور ماضی کی خاصی بڑی تعداد میں ٹھیک ٹھیک خبریں محض اندرونی ضمیر کی آواز کے تحت نہیں دے سکتا۔ نیز قرآن کریم محض غیبی خبریں دینے کے اعتبار سے ہی معجزہ نہیں ہے بل کہ اس کے اعجاز کی اور بھی بہت سی وجوہ (حیثیتیں) ہیں یہ بے مثال فصاحت وبلاغت، محیر العقول طرز استدلال، مُحور کن انداز بیان، شان دار ایجاز واختصار، بعض علمی حقائق جن کے صحیح ہونے کا مادی وسائنسی علوم کے ماہرین کو مسلسل تجربے اور مشاہدے پر مبنی تحقیق کی بنا پر سیکڑوں برس بعد علم ہوا، معاشی، معاشرتی، سیاسی اور اخلاقی بگاڑ کی حیرت انگیز اصلاح اور اپنی قوت تاثیر سے لوگوں کے قلوب واذہان اور اعمال وافکار میں انقلاب برپا پیدا کر دینے اور دیگر گوناگوں ظاہری

ومعنوی محاسن کی وجہ سے بھی زبردست اعجازی شان لئے ہوئے ہے۔ کوئی بھی شخص خصوصاً اگر وہ امی بھی ہو، محض غور وفکر اور مراقبے کے زور پر خارجی آسمانی وحی کے بغیر ہرگز ایسا کلام پیش نہیں کرسکتا۔ جو شخص ایسا سمجھتا ہے وہ یقیناً تباہ کن اور خطرناک خودفریبی کا شکار ہے، جس سے اس نے بروقت نجات حاصل نہ کی تو وہ آخرت میں یقیناً پچھتائے گا لیکن وقت ہاتھ سے نکل چکا ہوگا۔

(و) اگر قرآن کریم (معاذ اللہ) خدا کا کلام نہیں بل کہ محض رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ''اندرونی کیفیت'' کا اظہار ہے تو تمام قرآنی مضامین کو لازماً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی خواہشات کے عین مطابق ہونا چاہئے تھا، لیکن قرآن کریم میں متعدد ایسے مضامین ہیں جو آپ کی خواہشات کے عین برعکس ہیں۔ مثلاً غزوہ تبوک کے موقع پر بعض منافقین نے اس غزوے میں شمولیت سے بچنے کے لئے پرفریب جھوٹے بہانے کئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی باتوں کا اعتبار کرتے ہوئے انہیں جنگ میں شامل نہ ہونے کی اجازت دے دی۔ اس پر سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تجھے معاف کرے تو نے قبل اس کے کہ تجھ پر وہ لوگ بھی ظاہر ہوجاتے جو سچے ہیں اور تو ان لوگوں کو بھی جان لیتا جو جھوٹے ہیں، انہیں (غزوے میں شامل نہ ہونے کی) اجازت ہی کیوں دی؟ (۵۶/ ب) اور مثلاً ایک موقع پر جب آپ بعض اعیانِ قریش سے محوِ گفتگو تھے، آپ کے ایک نابینا صحابی کا آپ سے ایک دینی مسئلہ پوچھنا آپ کو ناگوار گزرا کہ اس سے سردارانِ قریش کے ساتھ بات چیت میں خلل پیدا ہوا۔ اس پر سورہ عبس میں فرمایا گیا کہ اس (پیغمبر) نے پیشانی پر بل چڑھائے اور منہ پھیرا کہ اس کے پاس نابینا (دینی مسئلے میں رہنمائی کے لئے) آیا اور (اے پیغمبر! تجھے کیا علم شاید وہ (نابینا) سنور جائے یا (تیری طرف سے) نصیحت کی بات پائے اور نصیحت اس کے لئے فائدہ مند ہو۔ تو جو پرواہ نہیں کرتا اس کی طرف تو توجہ کرتا ہے حال آں کہ (ایسا غافل شخص) نہ سنورے تو تجھ پر کوئی الزام نہیں اور جو تیرے پاس دوڑتا ہوا آیا اور وہ (اللہ سے) ڈرتا ہے، اس سے تو بے رخی کرتا ہے۔ خبردار! یہ قرآن تو نصیحت ہے تو جو چاہے اسے یاد رکھے۔ (۵۶/ ج) اس طرح کے مضامین سے صاف معلوم ہورہا ہے کہ قرآن کسی مراقبے یا غور وفکر کی وجہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک پر جاری نہیں ہوا بل کہ یہ خارجی آسمانی وحی ہے۔ جو شخص اسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی ''اندرونی کیفیت'' کا ثمر سمجھتا ہے وہ یقیناً سنگین خودفریبی میں مبتلا ہے۔

(ز) نزول وحی کے موقع پر بعض اوقات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی جانور پر سوار ہوتے تو وحی

کی شدت کی وجہ سے وہ جانور بھی بوجھ محسوس کرتے ہوئے بیٹھ جاتا تھا (۵۷/ الف) ایک مرتبہ آپ نے اپنا سر مبارک حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے زانو پر رکھا ہوا تھا کہ اسی حالت میں آپ پر وحی کے نزول سے حضرت زیدؓ نے یوں محسوس کیا کہ گویا ان کی ران ٹوٹنے کے قریب ہے۔ اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی خارجی وحی کے بغیر محض کسی اندرونی کیفیت میں چلے جاتے تھے تو سواری کا جانور اور اسی طرح حضرت زیدؓ بھلا اس کا بوجھ کیوں محسوس کرتے۔ ایسا سمجھنے والے یقیناً افسوس ناک خود فریبی کا شکار ہیں۔

(ح) انجیل لوقا میں ہے ''اس (یسوع) نے ان سے پوچھا کہ لوگ مجھے کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ کوئی یوحنا بپتسمہ دینے والا اور بعض ایلیاہ کہتے ہیں اور بعض یہ کہ قدیم نبیوں میں سے کوئی جی اٹھا ہے۔ اس نے ان سے کہا لیکن تم مجھے کیا کہتے ہو؟ پطرس نے جواب میں کہا کہ خدا کا مسیح۔ اس نے ان کو تاکید کر کے حکم دیا کہ یہ کسی سے نہ کہنا'' (۵۷/ ب)۔

حضرت یسوعؑ کی مبینہ گرفتاری کا حال بیان کرتے ہوئے لوقا نے لکھا ہے ''اور گھٹنے ٹیک کر (یسوع) یوں دعا کرنے لگا کہ اے باپ! اگر تو چاہے تو یہ پیالہ (یعنی مبینہ گرفتاری کے بعد تذلیل اور مصلوبیت) مجھ سے ہٹالے، تو بھی میری مرضی نہیں بل کہ تیری ہی مرضی پوری ہو۔ اور آسمان سے ایک فرشتہ اس کو دکھائی دیا وہ اسے تقویت دیتا تھا۔ پھر وہ سخت پریشانی میں مبتلا ہو کر اور بھی دلسوزی سے دعا کرنے لگا اور اس کا پسینہ گویا خون کی بڑی بڑی بوندیں ہو کر زمین پر ٹپکتا تھا''، (۵۷/ ج)۔ انجیل لوقا کے مذکورہ مضامین پر غور کیجئے۔ حضرت یسوعؑ نے اپنے بارہ حواریوں کو دعوت وتبلیغ کے کام پر اردگرد کے علاقوں میں بھیجا تھا۔ اس کے باوجود کچھ لوگ آپ کو یوحنا کچھ ایلیاہ اور کچھ قدیم نبیوں میں سے جی اٹھنے والا نبی سمجھ رہے تھے۔ عام لوگوں کو پتہ ہی نہیں تھا کہ آپ مسیح موعود ہیں۔ اگر پطرس نے آپ کو مسیح سمجھا تو بھی آپ نے سب شاگردوں کو حکم دیا کہ کسی کو یہ نہ کہنا کہ میں مسیح ہوں۔ اسے خفیہ تبلیغ بھی قرار نہیں دیا جاسکتا، کیوں کہ آپ نے اپنے حواریوں کو دعوت وتبلیغ کے کام پر علی الاعلان بھیجا تھا اور وہ لوگوں کو کھلم کھلا حضرت یسوعؑ پر ایمان لانے کی دعوت دیتے تھے۔ اگر بالفرض وہ خفیہ تبلیغ بھی کرتے ہوں تو بھی لوگوں کو یہ بتانے کے وہ پابند تھے کہ حضرت یسوعؑ ہی مسیح موعود ہیں ورنہ دعوت وتبلیغ کا فائدہ اور مقصد ہی کیا تھا؟ اس سے تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت یسوع کو اپنے مسیح ہونے کا (معاذ اللہ) قطعاً یقین نہیں تھا۔ اسی شک کو دور کرنے کے لئے اپنے شاگردوں سے پوچھا کہ لوگ مجھے کیا کہتے ہیں؟ اور جب پطرس نے آپ کو خدا کا مسیح قرار دیا تو آپ کو قدرے اطمینان ہوا۔ لیکن چوں کہ بہ ظاہر شک (معاذ اللہ) آپ کے

دل سے دور نہیں ہوا تھا، اس لئے شاگردوں کو حکم دیا کہ لوگوں کو یہ نہ بتاؤ کہ میں مسیح ہوں۔ اناجیل کے ایسے مضامین کی رو سے عیسائیوں کو یہ حق ہی نہیں پہنچتا کہ وہ حضرت یسوعؑ کو مسیح قرار دیں۔ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ آپ اپنے دشمنوں سے خوف زدہ تھے۔ اگر وہ اپنے مخالفین کو ان کے روبرو ریاکار، اندھے راہ بتانے والے، افعی کے بچے وغیرہ کہہ سکتے تھے اور اگر واقعی آپ کو (مبینہ طور پر) یہ علم بھی تھا کہ نوع انسانی کے مبینہ موروثی گناہ کا کفارہ ادا کرنے کے لئے آپ کو ہر حال میں مصلوب ہونا پڑے گا تو خوف کیا معنی رکھتا ہے؟ مبینہ گرفتاری سے پہلے حضرت یسوعؑ کی پریشانی اور دل سوز دعا کو انجیل لوقا میں جس انداز سے بیان کیا گیا ہے اس سے تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت یسوعؑ کو مبینہ پیشگی علم کے باوجود ہرگز کامل یقین نہیں تھا کہ مجھے نوع انسانی کی خاطر ضرور بالضرور مصلوب ہونا پڑے گا، جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے ورنہ وہ اس پیالے کو ٹالنے کی خدا سے ہرگز دعا نہ کرتے اور نہ ہی پریشان ہوتے اور نہ ہی فرشتے کو یہ زحمت اٹھانی پڑتی کہ وہ آپ کو تسلی دے مگر اس کے باوجود آپ تسلی پذیر نہیں ہوتے تھے اور آپ کا پسینہ گویا خون کی بڑی بڑی بوندوں کی صورت میں ٹپک رہا تھا۔ ادھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہرگز پیشگی علم نہیں تھا کہ آپ پر پہلی وحی کا نزول اور فرشتے کا آپ پر ظہور کیسے ہوگا؟ آپ نے کبھی بھی اور کہیں بھی کسی سے یہ نہیں پوچھا کہ لوگ مجھے کیا کہتے ہیں اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ لوگوں نے آپ کو اللہ کا آخری رسول قرار دیا ہو تو آپ نے لوگوں کو تاکید کی ہو کہ ''یہ نہ کہنا'' وغیرہ۔ پہلی وحی کے نزول پر آپ کو پریشانی لاحق ہوئی تو اس میں آپ کی اہلیہ حضرت خدیجہؓ اور ان کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل نے آپ کو ایسے ہی تسلی دی، جیسے حضرت یسوعؑ مبینہ گرفتاری سے پہلے اپنے شاگردوں سے تسلی حاصل کرنا چاہتے تھے اور اس بات کے خواہش مند تھے کہ حواری ان کے ساتھ شب بیداری اور دعا میں شریک رہیں اور جیسے فرشتہ آپ کو تسلی دے رہا تھا حال آں کہ حضرت یسوعؑ کو مستقبل کے متعلقہ امور کا بہ مطابق اناجیل پہلے ہی سے علم حاصل تھا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کوئی پیشگی علم حاصل نہ تھا۔ بائبل کے ان مضامین پر پھر غور کیجئے۔ جیسے متعصب مستشرقین اپنے اس خیال میں حق بہ جانب نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت کے بارے میں (معاذ اللہ) کوئی شک تھا اسی طرح سابقہ مباحث کی روشنی میں انہیں یہ کہنے کا بھی کوئی جواز قطعاً حاصل نہیں کہ آپ (معاذ اللہ) کسی اندرونی کیفیت کو نزول وحی سے تعبیر کرتے تھے۔ یہ بھی واضح ہو گیا کہ آپ اپنے اوپر نزول وحی کے بارے میں پورے ۲۳ برس تک (معاذ اللہ) کسی غلط فہمی کا شکار نہیں رہے، بل کہ جو شخص ایسا سمجھتا ہے وہ خود ہی بری طرح خود فریبی میں مبتلا ہے۔ اگر اس خود فریبی سے وہ باہر نہ نکلا تو

قرآن کریم کی (مثلاً) سورہ فرقان میں ہے کہ اس (قیامت کے) دن حکومت صحیح طور پر صرف رحمٰن (اللہ تعالیٰ) کی ہوگی اور وہ دن کافروں پر بڑا بھاری ہوگا اور اس دن ظالم شخص اپنے ہاتھوں کو چبا چبا کر یہ کہے گا کہ کاش میں نے رسول (اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کی راہ اختیار کی ہوتی۔ ہائے افسوس کاش کہ میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس نے تو مجھے اس کے بعد گم راہ کر دیا کہ نصیحت میرے پاس آچکی تھی اور شیطان تو انسان کو (وقت پر) دغا دینے والا ہے۔ (۵۸/ الف) یہاں پھر یاد رہے کہ ہم اہل اسلام قرآن کریم کی روشنی میں حضرت یسوع (عیسیٰ) کو سچا مسیح قرار دیتے ہیں نہ کہ (محرف) اناجیل سے ان کے متعلق کوئی رائے قائم کرتے ہیں۔

۱۳: بائبل میں بشارات محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

قرآن کریم میں ہے کہ خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے متعلق تورات وانجیل میں بشارتیں دی گئی تھیں، مثلاً سورۂ صف میں ہے کہ (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا، اے بنی اسرائیل! بے شک میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ میں تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں جو میرے سامنے ہے اور میں ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔ (۵۸/ ب) اور مثلاً سورۂ شعراء میں ہے کہ ان (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب) کی یہ مثالیں تورات میں بھی ہیں اور ان کی (یہ) مثالیں انجیل میں بھی ہیں۔ (۵۹/ ب) اگرچہ اہل کتاب نے ہر ممکن تحریف کے ذریعے ایسی بشارتوں اور خبروں کو مٹانے کی ہر دور میں کوشش کی ہے اور ان کی یہ مساعی تا حال جاری ہیں لیکن یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ اس میں انہیں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوسکی۔ ایسی بعض اہم بشارتوں کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

(الف) کتاب یسعیاہ کی بشارتیں: ''دیکھو میرا خادم جس کو میں سنبھالتا ہوں، میرا برگزیدہ جس سے میرا دل خوش ہے میں نے اپنی روح اس پر ڈالی۔ وہ قوموں میں عدالت جاری کرے گا، وہ نہ چلائے گا اور نہ شور کرے گا اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنائی دے گی، وہ مسلے ہوئے سرکنڈے کو نہ توڑے گا اور ٹمٹماتی ہوئی بتی کو نہ بجھائے گا۔ وہ راستی سے عدالت کرے گا۔ وہ ماندہ نہ ہوگا اور ہمت نہ ہارے گا جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کرلے۔ میں خداوند نے تجھے صداقت سے بلایا میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا اور لوگوں کے عہد اور قوموں کے نور کے لئے تجھے دوں گا کہ تو

اندھوں کی آنکھیں کھولے اور اسیروں کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیروں میں بیٹھے ہیں قید خانے سے چھڑائے۔ یہوواہ میں ہی ہوں، یہی میرا نام ہے میں اپنا جلال کسی دوسرے کے لئے اور اپنی حمد کھودی ہوئی مورتوں کے لئے روانہ رکھوں گا'' (۵۹/ ج) کتاب یسعیاہ کی اس بشارت کا حوالہ ہماری کتب احادیث میں موجود ہے۔ مدینے میں حضرت عبداللہ بن سلام یہودیوں کے زبردست عالم تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن سلام اور حضرت عبداللہ بن عمرؓو بن العاص کا قول ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اوصاف جو تورات میں مذکور ہیں وہ یہ ہیں: یایھا النبی انا ارسلناك شاھدا ومبشراً ونذیرا وحرزا للامیین. انت عبدی ورسولہ سمیتك المتوکل. لیس بفظ ولاغلیظ ولاسخاب فی الاسواق ولایدفع السیئۃ بالسّئیۃ ولکن یعفو ویغفر ولن یقبضہ اللہ حتی یقیم بہ الملۃ الھوجاء بان یقولوا لآالٰہ الا اللہ ویفتح بہ اعیناً عمیاءً واذاناً صمما وقلوبا غلفا۔ (۶۰/ الف) حضرت کعبؒ کی روایت بھی اسی طرح کی ہے اور اس میں مزید اوصاف بھی مذکور ہیں جن میں سے ایک یہ ہے ''عبدی المختار''۔ اب اس حدیث کا تقابل کتاب یسعیاہ کے مذکورہ بالا مضمون سے کیجئے تو دونوں میں حیرت انگیز مماثلت نظر آئے گی۔ مثلاً (۱) عبدی المختار، میرا برگزیدہ بندہ، (کتاب یسعیاہ میں ہے ''میرا خادم (یعنی بندہ) میرا برگزیدہ بندہ'' (۲) یایھا النبی انا ارسلناك شاھدا ومبشراً ونذیرا۔ ''اے نبی! ہم نے تجھے شاہد، خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے''، ادھر کتاب یسعیاہ میں ہے، ''وہ قوموں میں عدالت جاری کرے گا''، (۳) وحرزا للامیین، اور ناخواندہ لوگوں کے لئے جائے پناہ''۔ ادھر کتاب یسعیاہ میں ہے، ''ان کو ان راستوں پر جن سے وہ آگاہ نہیں لے چلوں گا''، (۶۰/ ب) (۴) انت عبدی ورسولی ''تو میرا بندہ اور میرا رسول ہے''۔ ادھر کتاب یسعیاہ میں ہے، ''میرا خادم..... میں نے اپنی روح اس پر ڈالی''۔ (۵) سمیتك المتوکل ''میں نے تیرا نام (خدا پر) بھروسہ کرنے والا رکھا''۔ ادھر کتاب یسعیاہ میں ہے، ''میرا خادم جس کو میں سنبھالتا ہوں''، (۶) لیس بفظ ولاغلیظ ولاسخاب فی الاسواق ولایدفع السیۃ بالسیئۃ ولکن یعفو ویغفر، وہ سنگ دل اور سخت گیر نہ ہوگا اور نہ ہی بازاروں میں شور مچانے والا ہوگا، برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دے گا بل کہ معاف کرے گا اور بخشے گا''۔ ادھر کتاب یسعیاہ میں ہے ''وہ مسلے ہوئے سرکنڈے کو نہ توڑے گا اور ٹمٹماتی ہوئی بتی کو نہ بجھائے گا (یعنی سخت گیر اور تند خو نہ ہوگا) وہ راستی سے عدالت کرے گا وہ نہ چلائے گا، نہ شور مچائے گا اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنی جائے گی''۔ (۷) ولن یقبضہ اللہ

حتی یقیم بہ الملۃ العوجاء، ''اور (اللہ) اس وقت تک اس کی جان ہرگز قبض نہ کرے گا جب تک کہ وہ اس کے ذریعے کج رو لوگوں کو سیدھا نہ کرالے گا''۔ ادھر کتاب یسعیاہ میں ہے ''وہ راستی سے عدالت کرے گا۔ وہ ماندہ نہ ہوگا اور ہمت نہ ہارے گا جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کرلے'' (۸) ویقولوا لا الٰہ الا اللہ ''یہاں تک کہ لوگ کہہ اٹھیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں''۔ ادھر کتاب یسعیاہ میں ہے ''یہوواہ (یعنی خدا) میں ہی ہوں، یہی میرا نام ہے۔ میں اپنا جلال کسی دوسرے کے لئے اور اپنی حمد کھودی ہوئی مورتوں کے لیے روانہ رکھوں گا''۔ (۹) ویفتح بہ اعینا عمیاء واذناً صمما وقلوبا غلفا ''اور اس کے ذریعے اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور پردہ پڑے ہوئے دلوں کو کھول دے گا''۔ ادھر کتاب یسعیاہ میں ہے ''لوگوں کے عہد اور قوموں کے نور کے لئے تجھے دوں گا کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے، اسیروں کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہوئے ہیں قید خانے سے چھڑائے۔'' یسعیاہؑ کی مذکورہ بشارت کا اطلاق حضرت یسوعؑ پر اس لیے نہیں ہوتا کہ قبل اس کے کہ آپ کے دشمن آپ سے مغلوب ہوتے، آپ کو آسمان پر اٹھالیا گیا۔ نیز بشارت کے مضمون سے واضح ہے کہ پیغمبر موعود بت پرستی کا قلع قمع کردے گا۔ حضرت یسوعؑ کا واسطہ بت پرستوں کی بجائے ظالم ومعاند یہودیوں سے تھا۔ ان دنوں یہودی بت پرستی نہیں کرتے تھے۔ مذکورہ بشارت کے بعد حضرت یسعیاہؑ فرماتے ہیں، ''دیکھو پرانی باتیں پوری ہوگئیں اور میں نئی باتیں بتاتا ہوں اس سے پیشتر کہ واقع ہوں میں تم سے بیان کرتا ہوں''۔ (۶۰/ ج) حضرت یسعیاہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں بیان فرماتے ہوئے درمیان میں بہ طور جملہ معترضہ یہ بتا رہے ہیں کہ یہ جو میں تمہیں بتا چکا ہوں اور مزید بتا رہا ہوں یہ سب نئی باتیں ہیں۔ اس کے بعد اگلی عبارت میں قیدار کے آباد گاؤں اور سلع (مدینہ منورہ) کے حوالے سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دوسری بشارت بیان کی گئی ہے۔ جس پر ہم اپنے مضمون ''بنو اسماعیل کا مسکن اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام بعثت ونبوت''، کے تحت بحث کرچکے ہیں۔ (۶۱/ الف) اسی طرح بائبل کی کتاب استثناء میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فاران والی صاف بشارت موجود ہے۔ جس کی تائید قرآن کریم کی سورہ الفتح اور بائبل کے نئے عہد نامے کی اناجیل کے بعض متعلقہ مضامین سے بھی ہوتی ہے۔ اس کا تذکرہ بھی ہم نے اسی مذکورہ مضمون میں کیا ہے اور اہل کتاب نے ان بشارتوں میں ناکام تحریف کی جو بھرپور زور آزمائی کی ہے اسے بھی پوری طرح واضح کیا ہے۔ بائبل کی کتاب یسعیاہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد قیدار بن حضرت اسماعیلؑ اور مکہ مکرمہ کے متعلق جو مضمون ہے اس

کی وضاحت بھی ہم عنوان ''حضرت ہاجرہؓ کا مقام ومرتبہ'' کے تحت کر چکے ہیں اور اس میں حضرت اسماعیل کے متعلق کتاب پیدائش وغیرہ کے مضامین بھی زیر بحث لائے گئے ہیں۔ یوں یہ مضامین بھی جزیرۃ العرب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ مبارکہ پر نمایاں بشارات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (۶۱/ ب)

(ب) نادان قوم والی بشارت: کتاب استثناء میں ہے، ''انہوں نے اس چیز کے باعث جو خدا نہیں مجھے غیرت اور اپنی باطل باتوں سے مجھے غصہ دلایا سو میں بھی ان کے ذریعے سے جو کوئی امت نہیں ان کو غیرت اور ایک نادان قوم کے ذریعے سے ان کو غصہ دلاؤں گا'' (۶۱/ ج) ہم کہتے ہیں کہ یہاں نادان قوم سے مراد عرب ہیں، کیوں کہ یہ امی یعنی ان پڑھ اور ناخواندہ ہونے کی وجہ سے نادان تھے، بت پرستی میں مبتلا تھے تو بائبل کی مذکورہ عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ چونکہ بنی اسرائیل نے اپنے باطل معبودوں کی عبادت سے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا ہے تو وہ بھی ایک نادان قوم یعنی بنی اسماعیل کے ذریعے ان کے کس بل نکال دے گا۔ چناں چہ ان ہی امیوں میں بنی امی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور ان ہی کے ذریعے مدینہ منورہ اور خیبر کے یہودی مغلوب ومقہور ہوئے۔ جاہل قوم سے مراد یہاں یونانی لوگ ہرگز نہیں ہو سکتے کیوں کہ وہ تو حضرت یسوعؑ کے ظہور سے کوئی تین چار سو سال پہلے ہی سے علوم وفنون میں فائق تھے۔ اسی طرح کی ایک بشارت کتاب یسعیاہ میں یوں مذکور ہے، ''جو میرے طالب نہ تھے میں ان کی طرف متوجہ ہوا جنہوں نے مجھے ڈھونڈا نہ تھا مجھے پالیا۔ میں نے ایک قوم سے جو میرے نام سے نہیں کہلاتی تھی فرمایا، دیکھو میں حاضر ہوں'' (۶۲/ الف) اس بشارت میں بھی ''جو میرے طالب نہ تھے، جنہوں نے مجھے ڈھونڈا نہ تھا''، سے مراد اہل عرب ہیں کیوں کہ وہ امی تھے۔ خدا کی ذات وصفات اور اس کی شریعت سے قطعاً بے خبر تھے اور اسی جہالت کی وجہ سے خدا کے طالب نہ تھے۔ چناں چہ سورہ آل عمران میں ہے کہ بے شک اللہ نے (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لانے والے) مومنین پر احسان فرمایا جب ان کے اندر ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتوں کی تلاوت کرتا اور ان (کے اخلاق) کو سنوارتا اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے حال آں کہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی (اور بے خبری) میں تھے (۶۲/ ب) کتاب یسعیاہ کی زیر بحث بشارت میں بھی یونانی لوگ مراد نہیں ہو سکتے۔ وہ تو کوئی ۳۰۰ قبل مسیح/ دسویں صدی قبل ہجرت سے ہی علوم وفنون کے ماہر ہو چکے تھے۔ سقراط، افلاطون اور ارسطو جیسے بڑے بڑے فلسفی اور فیثا غورث جیسے بڑے بڑے ریاضی دان ان میں پیدا ہو چکے تھے اور بائبل کا ہفتاوی یونانی ترجمہ بھی کوئی ۲۸۶ قبل مسیح/ ۹۳۵ قبل ہجری میں ہو چکا تھا، اس لئے یونانی

تورات اور ملحقہ کتب پر ایمان نہ لانے کے باوجود ان کتب سے بے خبر ہرگز نہ تھے کہ پولس انہیں ناحق جاہل اور ناخواندہ قرار دے۔ چناں چہ یہی پولس کرنتھیوں کے نام اپنے پہلے خط میں لکھتا ہے ''اور یونانی حکمت تلاش کرتے ہیں مگر ہم اس مسیح مصلوب کی منادی کرتے ہیں جو یہودیوں کے نزدیک ٹھوکر اور یونانیوں کے نزدیک بے وقوفی ہے''، (۶۳/ الف) یاد رہے کہ پرانی انگریزی بائبل میں and unto the Greeks foolishenss کے کلمات ہیں جن کا اردو میں صحیح ترجمہ، اور یونانیوں کے نزدیک بے وقوفی ہے، ہی بنتا ہے لیکن جدید انگریزی بائبل میں Greeks کی بجائے Gentles کا لفظ لایا گیا ہے اور اردو تراجم میں ''اور یونانیوں کے نزدیک بے وقوفی ہے'' کی بجائے ''اور غیر قوموں کے لئے بے وقوفی ہے''، کے کلمات لائے گئے ہیں۔ اس تحریف کا مقصد واضح ہے کہ بشاراتِ محمدیہؐ پر مشتمل ان مضامین میں پولس نے جو جاہل قوم سے یونانیوں کو مراد لیا ہے، اس میں پولس کی حمایت ہو سکے اور کرنتھیوں کے نام اس کے خط کے مذکورہ مضمون سے یونانیوں کا جو صاحبِ حکمت (ماہر علوم وفنون) ہونا ظاہر ہو رہا تھا، اس کی کچھ پردہ پوشی ہو سکے۔

(ج) حضرت موسیٰ کی مانند ایک نبی کے برپا ہونے کی بشارت:

کتابِ استثناء میں ہے ''میں ان کے لئے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا''۔ (۶۳/ ب)۔

یہودیوں کا اس بشارت کو حضرت یوشعؑ پر اور عیسائیوں کا اسے حضرت عیسیٰؑ پر چسپاں کرنا درست نہیں، کیوں کہ یہاں نبی موعود کو حضرت موسیٰؑ کے مانند ٹھہرایا گیا ہے۔ اسی کتاب استثناء ہی کے مطابق بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰؑ کی طرح کا کوئی نبی برپا نہیں ہوا جس سے خدا نے روبرو باتیں کی ہوں، چناں چہ اس کتاب استثناء کا متعلقہ مضمون یوں ہے، ''اور اس وقت سے لے کر اب تک بنی اسرائیل میں کوئی نبی موسیٰ کی مانند جس سے خدا نے روبرو باتیں کیں نہیں اٹھا'' (۶۳/ ج) چناں چہ بنی اسرائیل میں واقعی حضرت موسیٰ کی طرح کا ہرگز کوئی نبی برپا نہیں ہوا جسے حضرت موسیٰؑ کی طرح مستقل کتاب اور شریعت دی گئی ہو۔ حضرت عیسیٰؑ بھی موسوی شریعت کے پیرو تھے گو بعض احکام میں جزوی تبدیلیاں ہوئی ہوں، چناں چہ بہ مطابق اناجیل انہوں نے برملا یہ اعلان فرمایا کہ میں توریت اور نبیوں کے صحیفوں کو منسوخ کرنے نہیں بل کہ پورا کرنے آیا ہوں (۶۴/ الف) حضرت موسیٰؑ سے اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر کلام کیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معراج کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے براہ راست کلام کیا۔ فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ

(۶۴/ب) ''تو اس نے اپنے بندے کی طرف (معراج کے موقع پر) وحی بھیجی جو بھی بھیجی تھی۔'' حضرت موسیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کے اسمائے گرامی کا پہلا حرف ''میم'' ہے۔ حضرت موسیٰ کے والد عمران اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے والد حضرت عبداللہ میں دونوں ناموں میں پہلا حرف ''ع'' ہے۔ حضرت موسیٰ نے مدین کی طرف ہجرت فرمائی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ مدین اور مدینہ میں زبردست مماثلت ہے۔ اگر حضرت موسیٰ نے اپنے خسر کی بکریاں آٹھ سال چرائی ہوں اور پھر نکاح کے بعد اپنے وطن لوٹے ہوں تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ۸ ہجری قمریہ شمسی کے اور خریں اپنے اصل وطن مکہ مکرمہ میں نہایت عزت واحترام سے فاتحانہ انداز میں داخل ہوئے۔ اگر حضرت موسیٰ کا قیام مدین میں ہیں دس سال کا ہو تو مکہ مکرمہ سے ہجرت کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام بھی مدینہ منورہ میں دس سال ہی رہا اور ۱۱ ہجری کے اوائل یعنی ربیع الاول ۱۱ ہجری میں آپ اس دار فانی سے رحلت فرما گئے یوں آپ کی حضرت موسیٰ سے مشابہت واضح ہے۔ حضرت موسیٰ پر مستقل کتاب تورات نازل ہوئی تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر مستقل کتاب قرآن کریم کا نزول ہوا۔ دونوں پیغمبر صاحبِ شریعت تھے۔ دونوں نے اپنے دشمنوں کے خلاف جہاد کیا۔ حضرت موسیٰ کا فرعون منفتاح ذلت وخواری سے مرا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرعون ابوجہل بھی ذلت وخواری سے غزوہ بدر میں جہنم رسید ہوا۔ یہ دونوں پیغمبر ماں باپ سے پیدا ہوئے، حضرت عیسیٰ بن باپ پیدا ہوئے۔ دونوں نے شادی کی اور صاحب اولاد ہوئے لیکن حضرت عیسیٰ شادی نہ کر سکے۔ دونوں پیغمبروں کی شریعت میں بہت سے احکام مشترک ہیں، مثلاً عبادت کے لئے طہارت، غیر مذبوحہ جانوروں اور بتوں کی قربانیوں کا حرام ہونا، زانی کے لئے رجم کی سزا، سود کا حرام ہونا، خنزیر اور خون کا حرام ہونا، جنبی مرد وعورت، حیض ونفاس والی عورت پر غسل کا واجب ہونا، حدود اور قصاص کا نفاذ وغیرہ، توحید خالص کی تعلیم دینا اور شرک وبت پرستی کے قلع قمع کی بھرپور تدابیر اختیار کرنا، دونوں پیغمبروں کا طبعی وفات پانا اور مدفون ہونا وغیرہ سب امور میں یہ دونوں پیغمبر باہم مشابہ ہیں ورنہ شکل وشباہت تو سب ہی کے نزدیک خارج از بحث ہے اور وصف نبوت میں تو سب ہی انبیاء مشترک ہیں لہٰذا مشابہت کی خاص وجوہ ہی مراد ہو سکتی ہیں۔ قرآن کریم کی سورۂ مزمل میں ہے کہ بلاشبہ ہم نے تمہاری طرف (بھی) تم پر گواہی دینے والا رسول بھیجا ہے، جیسا کہ ہم نے فرعون کے پاس رسول بھیجا تھا (۶۴/ج) جہاں تک حضرت یوشعؑ کا تعلق ہے وہ تو خود موسوی شریعت کے ہیرو تھے اور حضرت عیسیٰ مظلوم تھے۔ وہ بنی اسرائیل پر شریعت تو کیا نافذ کرتے بل کہ

الٹا بزعم نصاریٰ بنی اسرائیل نے (معاذ اللہ) ان کی توہین وتذلیل کی۔ پھر مصلوب کرادیا۔

بشارت میں ''ان ہی کے بھائیوں میں سے'' کے کلمات ظاہر کررہے ہیں کہ جب اس بشارت میں پوری قوم بنی اسرائیل کو مخاطب کیا جارہا ہے تو لازماً ان کے بھائی خود بنی اسرائیل میں سے نہیں ہوسکتے، بل کہ بنی اسماعیل ہی میں سے ہوسکتے ہیں، کیوں کہ کسی لفظ کو حقیقی معنی کی بہ جائے مجازی معنی میں استعمال کرنے کے لئے کوئی زبردست قرینہ یا دلیل ہونی چاہئے۔ بنی اسماعیل کے متعلق کتاب پیدائش میں ہے'' یہ لوگ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسے ہوئے تھے'' (۶۵/ الف) جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے صاحب زادے حضرت اسحاق کے لئے برکت کا وعدہ فرمایا تھا، اسی طرح ان کے پہلوٹھے صاحب زادے حضرت اسماعیل کے لئے بھی فرمایا، چناں چہ حضرت اسماعیل کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہؓ سے خداوند کے فرشتے نے براہ راست ملاقات کی اور انہیں مخاطب کرتے ہوئے خداوند کی یہ بشارت سنائی، ''میں تیری اولاد کو بہت بڑھاؤں گا یہاں تک کہ کثرت کے سبب سے اس کا شمار نہ ہوسکے گا'' (۶۵/ ب) حضرت اسماعیل کے متعلق خدا نے حضرت ابراہیم سے فرمایا ''اور اسماعیل کے حق میں نے تیری دعا سنی۔ دیکھ میں اسے برکت دوں گا۔'' اور اسے برومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے''۔ (۶۵/ ج) اور جب حضرت ہاجرہؓ اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل کو بیابان میں تنہا چھوڑ دیا گیا تھا تو اس وقت بھی خدا کا فرشتہ حضرت ہاجرہ سے براہ راست ہم کلام ہوا، ''اے ہاجرہ! تجھ کو کیا ہوا؟ مت ڈر کیوں کہ خدا نے اس جگہ سے جہاں لڑکا پڑا ہے اس کی آواز سن لی ہے۔ اٹھ اور لڑکے کو اٹھا اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال، کیوں کہ میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا..... اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑا ہوا.....'' (۶۶/ الف) حضرت ہاجرہؓ سے فرشتہ براہ راست دو مرتبہ، ہم کلام ہوا جب کہ حضرت اسحاقؑ کی والدہ کو فرشتوں کی بشارت حضرت ابراہیمؑ کے ذریعے ہوئی کہ ان کے بطن سے حضرت اسحاقؑ پیدا ہوں گے (۶۶/ ب) حضرت اسماعیل چونکہ حضرت ابراہیمؑ کے پہلوٹھے بیٹے تھے اور حضرت اسحاقؑ سے چودہ سال بڑے تھے اس لئے بہ مطابق بائبل پہلوٹھے بیٹے کی حیثیت سے انہیں برتر مقام حاصل تھا۔ اور حضرت ابراہیمؑ کو اپنا پہلوٹھا بیٹا خدا کی راہ میں قربان کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ ہم اس سلسلہ مضامین بائبل ہی سے یہ ثابت کرچکے ہیں کہ حضرت اسماعیل ہی ذبیح اللہ ہیں اور بائبل سے یہ بھی ثابت کرچکے ہیں کہ حضرت اسماعیل کی اولاد کا مسکن عرب کا علاقہ ہے۔ (۶۶/ ج) چونکہ یہ مرتبہ حضرت ابراہیمؑ کی تیسری بیوی سے پیدا ہونے والی نسل بنی قطورہ کو حاصل نہیں، لہٰذا زیر نظر بشارت میں بنی

اسرائیل کے جن بھائیوں کا تذکرہ ہے وہ صرف اور صرف بنی اسماعیل ہی ہو سکتے ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بائبل میں موجود دیگر بشارتوں کے مضامین سے بھی اسی کی تائید وتوثیق ہو رہی ہے۔ حضرت اسحاقؑ کے صاحب زادے عیسو کی اولاد پر بھی اس بشارت کا اطلاق نہیں ہو سکتا کیوں کہ صرف حضرت یعقوب (اسرائیل) کے لئے ہی ان کے والد حضرت اسحاقؑ نے برکت کی یہ دعا فرمائی تھی ''قومیں تیری خدمت کریں اور قبیلے تیرے سامنے جھکیں تو اپنے بھائیوں کا سردار ہو اور تیری ماں کے بیٹے تیرے آگے جھکیں'' (۶۷/ الف) پس حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے دو ہی بابرکت خاندان امتیازی شان وشوکت کے حامل ہوئے۔ اگر بنی اسماعیل کو یہ خاص مرتبہ حاصل نہ ہوتا تو بعض مستشرقین اپنی توانائیاں اس جھوٹے دعوے کو بزعم خویش ثابت کرنے میں نہ صرف کرتے کہ خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نسبی تعلق حضرت اسماعیلؑ سے نہیں ہے جس کی ہم نے بھرپور تردید بائبل ہی کے مضامین سے متعلقہ مضامین میں کر دی ہے (۶۷/ ب) کتاب استثناء کی ایک عبارت یوں ہے ''خداوند تیرا خدا تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی سننا'' (۶۷/ ج) یہاں یہ الفاظ ''تیرے ہی درمیان سے'' الحاقی معلوم ہوتے ہیں، کیوں کہ اس طرح کے دوسرے مقامات پر یہ مذکور نہیں۔ مثلاً نئے عہدنامے کی کتاب اعمال میں بھی جہاں کتاب استثناء کے مذکورہ مضمون کا حوالہ دیا گیا ہے وہاں یہ الفاظ ''تیرے ہی درمیان سے'' موجود نہیں ہیں۔ چناں چہ حضرت یسوعؑ کے عظیم ترین حواری پطرس کا قول کتاب اعمال میں یوں مذکور ہے۔ ''پس ضرور ہے کہ وہ (یسوع) آسمان میں اس وقت تک رہے جب تک کہ وہ سب چیزیں بہ حال نہ کی جائیں جن کا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے، جو دنیا کے شروع سے ہوتے آئے ہیں چناں چہ موسیٰ نے کہا کہ خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے مجھ سا ایک نبی پیدا کرے گا۔ جو کچھ وہ تم سے کہے اس کی سننا'' (۶۸/ الف) پطرس کے قول سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ جب تک وہ نبی آ نہیں جاتا جس کی آمد کے متعلق حضرت موسیٰ نے بشارت دی تھی اس وقت سے پہلے حضرت یسوعؑ آسمان پر ہی رہیں گے، یعنی پطرس حضرت موسیٰ کی اپنے مانند ایک نبی کے برپا ہونے کی بشارت کو حضرت یسوعؑ (عیسیٰ) کے حق میں نہیں لیتا۔ پس یہ بشارت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے۔ الغرض حضرت موسیٰ کی اصل بشارت میں ''تیرے ہی درمیان سے'' کے کلمات موجود نہیں ہیں بل کہ یہ الحاقی کلمات ہیں۔ اور اگر بالفرض یہ الحاقی نہ بھی ہوں تو بھی ہمارا استدلال متاثر نہیں ہوتا کہ مدینہ منورہ میں یہودی قبائل بنوقینقاع بنونضیر اور بنوقریظہ رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں آباد تھے، لہٰذا ''تیرے ہی درمیان سے'' کہنا درست ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بھائیوں ہی میں سے تھے۔ انجیل یوحنا میں حضرت یسوعؑ کا ایک قول یوں مذکور ہے ''اگر تم موسیٰ کی تصدیق کرتے تو میرا بھی یقین کرتے اس لئے کہ اس نے میرے حق میں لکھا ہے'' (۶۸/ب) یہاں سیاق وسباق سے ہرگز یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت یسوعؑ کا اشارہ کتاب استثناء کے زیر بحث مضمون سے ہے۔ اسی کتاب استثناء میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جو فاران والی بشارت ہے اس میں ہے ''خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا'' (۶۸/ج) اس عبارت میں شعیر سے طلوع ہونے سے حضرت یسوعؑ کا منصب نبوت ورسالت پر فائز ہونا ہے۔ عین ممکن ہے کہ حضرت یسوعؑ کے انجیل یوحنا میں مذکور قول کا اشارہ اسی عبارت کی طرف ہو، لہٰذا ہمارا استدلال اپنی جگہ پر قائم اور موثر ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق زیر بحث بشارت کے کلمات پرانے انگریزی ترجمے میں یوں ہیں۔

I will raise up a prophet amongst their brothren like unto thee and put my words in his mouth"

مگر کتاب استثناء کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اس صاف اور کھلی بشارت پر اہل کتاب کو اس قدر پریشانی لاحق ہوئی کہ جدید انگریزی ترجمے میں عبارت یوں کردی گئی:

I will send them a prophet to the you among their own people.

دیکھئے یہاں brothren (بھائیوں) کو اس ترجمے میں people (لوگ) کردیا گیا ہے

کتاب استثناء کی عبارت میں ''برپا کروں گا'' کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ رسول موعود حضرت موسیٰ کے زمانے میں نہیں بل کہ مستقبل میں ظاہر ہوگا جب کہ حضرت یوشعؑ تو حضرت موسیٰ کے ہم عصر تھے، لہٰذا وہ اس بشارت کا مصداق نہیں ہوسکتے۔ نیز بشارت میں ہے ''میں اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا''۔ اس سے معلوم ہورہا ہے کہ رسول موعود پر مکتوبی وحی نازل نہیں ہوگی، بل کہ اس کے منہ میں ڈالی جائے گی، چناں چہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی طرح وحی نازل ہوئی، کیوں کہ آپ اُمی تھے لکھنا پڑھنا کسی سے نہیں سیکھا تھا۔

(د) **نئے گیت والی بشارت:** کتاب زبور میں ہے ''خداوند کی حمد کرو۔ خداوند کے حضور نیا گیت گاؤ اور مقدسوں کے مجمع میں اس کی مدح سرائی کرو۔ اسرائیل اپنے خالق میں شاداں

رہے۔ فرزندان صیون اپنے بادشاہ کے سبب سے شاداں ہوں وہ ناچتے ہوئے اس کے نام کی ستائش کریں۔ وہ حرف اور ستار پر اس کی مدح سرائی کریں کیوں کہ خداوند اپنے لوگوں سے خوشنود رہتا ہے۔ وہ حکیموں کو نجات سے زینت بخشے گا۔ مقدس لوگ جلال پر فخر کریں وہ اپنے بستروں پر خوشی سے نغمہ سرائی کریں۔ ان کے منہ میں خدا کی تمجید اور ہاتھ میں دو دھاری تلوار ہو تا کہ قوموں سے انتقام لیں اور امتوں کو سزا دیں۔ ان کے بادشاہوں کو زنجیروں سے جکڑیں اور ان کے سرداروں کو لوہے کی بیڑیاں پہنائیں تا کہ ان کو وہ سزا دیں جو مرقوم ہے اس کے سب مقدسوں کو یہ شرف حاصل ہے۔ خداوند کی حمد کرو'' (۶۹/الف)

زبور کی مذکورہ عبارت میں جس نبی کی بشارت دی گئی ہے اسے بادشاہ کہا گیا ہے اور اس کے فرماں برداروں کو مقدس لوگ کہا گیا ہے۔ ان کا وصف یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ اپنے منہ سے خدا کی تمجید یعنی بڑائی بیان کریں گے۔ وہ دو دھاری تلوار سے دوسری قوموں کو مغلوب کر کے انہیں زنجیروں میں محبوس کریں گے۔ یہ تمام اوصاف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتے ہیں۔ نیز مذکورہ عبارت میں ''خداوند کے حضور نیا گیت گاؤ''، کے کلمات ظاہر کر رہے ہیں کہ اس پیغمبر موعود کو نئی شریعت ملے گی۔ ''نئے گیت'' کے الفاظ کتاب یسعیاہ کی اس عبارت میں بھی موجود ہیں، جس میں حضرت اسماعیل کے صاحب زادے قیدار کے آباد گاؤں اور سلع (مدینہ منورہ) کے حوالے سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی گئی ہے۔ کتاب زبور کی مذکورہ عبارت کے یہ کلمات ''کیوں کہ خداوند اپنے لوگوں سے خوشنود رہتا ہے'' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے اس مقام و مرتبہ کو واضح کرتے ہیں جو قرآن کریم میں یوں مذکور ہے ''رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ.....'' (۶۹/ب) یعنی ''اللہ ان سے راضی اور خوش ہوا اور وہ اللہ سے راضی اور خوش ہوئے''۔ ''مقدس لوگ جلال پر فخر کریں وہ اپنے بستروں پر خوشی سے نغمہ سرائی کریں اور ان کے منہ میں خدا کی تمجید ہو، کے کلمات صحابہ کرامؓ کے اس وصف کو ظاہر کر رہے ہیں جو قرآن کریم میں یوں مذکور ہے، الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً وعلیٰ جنوبھم (۶۹/ج) ''کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کو کھڑے بیٹھے اور اپنی کروٹوں کے بل لیٹے یاد کرتے ہیں۔ ''وہ دف اور ستار پر اس کی مدح سرائی کریں''، کے کلمات بھی قابل غور ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ منورہ میں ہجرت فرمائی اور اسی طرح جب آپ غزوہ تبوک سے واپس مدینے میں تشریف لائے تو مدینے کی بچیوں نے دف بجا کر اور استقبالیہ گیت گا کر آپ کو خوش آمدید کہا۔ ان کے گیت کے بعض کلمات کا مفہوم یہ ہے کہ جب تک اللہ کو پکارنے والا کوئی بھی ہم میں موجود ہے ہم پر اس کا شکر واجب ہے۔ یہ خدا کی حمد اور تمجید ہی تو ہے۔ زبور کی

زیر بحث عبارت میں ''فرزندانِ صیون'' سے بنی اسرائیل مراد ہیں اور اگر یہ کلمات الحاقی نہیں تو بھی ہمارا استدلال خلل پذیر نہیں ہوتا۔ غزوہ تبوک سے پہلے تک حضرت عبداللہ بن سلام جیسے متعدد جلیل القدر اسرائیلیوں نے اسلام قبول کرلیا تھا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبوک سے مدینہ کامیاب واپسی پر یہ مسلم اسرائیلی بھی خوشی میں دوسرے مسلمانوں سے پیچھے نہیں تھے۔ مذکورہ بشارت کے مضمون میں دشمنوں کو مغلوب اور انہیں زنجیروں میں مقید کرنے کی بات بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں پر پوری طرح چسپاں ہوتی ہے، مثلاً غزوہ بدر میں ستر سردارانِ قریش مقتول اور تقریباً اتنے ہی ماخوذ ومحبوس ہوئے تھے۔ زبور کا مذکورہ مضمون حضرت سلیمانؑ پر صادق نہیں آتا ان کی وجہ سے اسرائیلیوں کو کسی نئے گیت کی ضرورت لاحق نہیں ہوئی وہ تو موسوی شریعت ہی کے پیرو تھے۔ نیز اہل کتاب کے خیال میں ان کی حکومت ان کے والد حضرت داؤدؑ کی حکومت سے زیادہ وسیع نہیں تھی۔ مزید برآں اہل کتاب کے خیال میں وہ اپنی آخری عمر میں (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) مرتد اور بت پرست ہوگئے تھے۔ (۷۰/ الف) حضرت عیسیٰؑ پر بھی یہ بشارت صادق نہیں آتی، کیوں کہ آپ کے ہاتھوں دشمن مغلوب ومحبوس اور آہنی زنجیروں میں کبھی مقید نہیں ہوا۔

(ھ) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت حنوکؑ کی بشارت

نئے عہد نامے میں یہوداہ کے خط میں حضرت حنوکؑ کی بشارت بھی فاران والی بشارت کے مشابہ ہے۔ ''ان کے بارے میں حنوک نے بھی جو آدم کی ساتویں پشت میں تھا یہ پیشین گوئی کی تھی کہ دیکھو خداوند اپنے لاکھوں مقدسوں کے ساتھ آیا تاکہ سب آدمیوں کا انصاف کرے اور سب بے دینوں کو ان کی بے دینی کے ان سب کاموں کے سب سے جو انہوں نے بے دینی سے کئے ہیں اور ان سب سخت باتوں کے سبب سے جو بے دین گناہ گاروں نے اس کی مخالفت میں کہی ہیں قصوروار ٹھہرائے'' (۷۰/ ب) یہاں ہمارے نزدیک ''خداوند'' سے مراد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ بائبل میں خداوند کا لفظ انسانوں پر بھی بولا گیا ہے مثلاً بہ مطابق کتاب پیدائش حضرت یوسف کے بھائیوں نے حضرت یوسف سے کہا تھا ''نہیں خداوند، تیرے غلام اناج لینے آئے ہیں.....'' (۷۰/ ج)

دیکھئے یہاں برادرانِ یوسف نے اپنے بھائی حضرت یوسف کو ''خداوند'' کہا ہے۔ مذکورہ بالا عبارت میں لفظ ''مقدسوں'' سے پاکیزہ مومنین مراد ہیں۔ بائبل میں ''مقدس'' کا لفظ نیک انسانوں کے

لئے بار ہا استعمال ہوا ہے، مثلاً پولس کرنتھیوں کے نام خط میں لکھتا ہے ''.....یعنی ان کے نام جو یسوع مسیح میں پاک کئے گئے اور مقدس لوگ ہونے کے لئے بلائے گئے'' (۱۷/ الف) رومیوں کے نام خط میں پولس لکھتا ہے ''لیکن بالفعل تو مقدسوں کی خدمت کے لئے یروشلم کو جاتا ہوں، کیوں کہ مکدینہ اور اخیہ کے لوگ یروشلم کے غریب مقدسوں کے لئے کچھ چندہ جمع کرنے کو رضامند ہوئے'' (۱۷/ ب) اور کتاب ایوب میں ہے، ''ذرا پکار کیا کوئی ہے جو تجھے جواب دے گا اور مقدسوں میں سے تو کس کی طرف پھرے گا''؟ (۱۷/ ج) بائبل کے ان تمام مضامین میں مقدس کا لفظ نیک اور پاکیزہ انسانوں کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ پس بشارت کے زیر نظر مضمون میں خداوند سے مراد خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور مقدسوں سے مراد وہ دس ہزار صحابہ کرامؓ ہیں جو فتح مکہ کے موقع پر آپ کے ہم راہ تھے۔ چناں چہ پرانی انگریزی بائبل (کنگ جیمس ورژن) میں ہے ''The Lord comes with ten thousands of his saints'' اس کا اردو میں صحیح ترجمہ یوں بنتا ہے، ''خداوند اپنے دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا'' لیکن اردو بائبل میں شرم ناک تحریف سے کام لیتے ہوئے اس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے ''خداوند اپنے لاکھوں مقدسوں کے ساتھ آیا'' عیسائی حضرات پولس کو بھی ''سینٹ پال'' کہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ انگریزی زبان میں saint کا لفظ بلاتکلف انسانوں کے لئے مستعمل ہے ورنہ عیسائی حضرات بتائیں کہ پولس اگر انسان نہیں تو کیا کوئی جن یا فرشتہ تھا؟ کتاب استثناء میں خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فاران والی جو موسوی بشارت دی گئی ہے اس میں بھی ''دس ہزار مقدسوں'' کا ذکر ہے اور اس میں بھی اسی طرح بدترین تحریف کی گئی ہے تاکہ دس ہزار مقدسوں کا اطلاق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دس ہزار صحابہ کرامؓ پر نہ ہو سکے جو فتح مکہ کے موقع پر آپ کے ہم راہ تھے۔ زیر نظر بشارت میں ہے کہ آنے والا خداوند یعنی جلیل القدر پیغمبر بے دین گناہ گاروں کو قصوروار ٹھہرائے گا، چناں چہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل عرب کے مشرکین، یہود و نصاریٰ اور منافقین سب ہی کو ان کے عقائد باطلہ اور اعمال شنیعہ کی بناء پر خوب خوب ملامت فرمائی اور انہیں صحیح معنوں میں گناہ گار ٹھہرایا۔

(و) **''آسمانی بادشاہت'' والی بشارتیں:** بائبل کے پرانے عہد نامے کی کتاب زکریاہ میں حضرت یسوعؑ کے متعلق ایک بشارت یوں موجود ہے ''اے بنتِ صیون نہایت شادماں ہو۔ اے دخترِ یروشلم، خوب للکار کیوں کہ دیکھ تیرا بادشاہ تیرے پاس آتا ہے وہ صادق ہے اور نجات اس کے ہاتھ میں ہے۔ وہ حلیم ہے اور گدھے پر بل کہ جوان گدھے پر سوار ہے'' (۲۷/ الف) اس بشارت

میں حضرت یسوعؑ (عیسیٰ) کی آمد کی طرف اشارہ ہے، چناں چہ بہ مطابق اناجیل حضرت یسوعؑ ایک گدھے پر سوار ہوکر نہایت فاتحانہ شان سے اپنے عقیدت مندوں کے ایک پُرشور ہجوم کے ہم راہ یروشلم میں داخل ہوئے تھے (۷۲/ ب) بہ مطابق اناجیل حضرت یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) بھی حضرت یسوعؑ کے متعلق لوگوں کو خوش خبری سنایا کرتے تھے، مثلاً انجیل متی میں ہے ''ان دنوں میں یوحنا بپتسمہ (روحانی غسل) دینے والا آیا اور یہودیہ کے بیابان میں یہ منادی کرنے لگا کہ توبہ کرو، کیوں کہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے'' (۷۲/ ج) حضرت یسوعؑ کے متعلق مذکورہ بشارتوں میں حضرت یسوعؑ کو بادشاہ اور ان کی رسالت ونبوت کو آسمانی بادشاہی قرار دیا گیا ہے کیوں کہ رسول ونبی پر ایمان لانے والے زندگی کے تمام شعبوں میں اس کی غیر مشروط اطاعت واتباع کے پوری طرح مکلف اور پابند ہوتے ہیں۔ اسی لحاظ سے پیغمبر کی رسالت ونبوت کو بائبل میں خدا کی بادشاہی اور آسمان کی بادشاہی قرار دیا گیا ہے اور بہت سے نبی ایسے بھی ہوئے ہیں جنھیں دنیا میں زمینی بادشاہت اور حکومت بھی حاصل تھی، مثلاً حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام نبی بھی تھے اور شان دار دنیوی حکومت وبادشاہت بھی انہیں حاصل تھی۔ اسی طرح خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مدنی ریاست کے سربراہ بھی تھے، چونکہ حضرت یسوعؑ کو کتاب زکریاہ میں بادشاہ اور ان کے منصب رسالت کو اناجیل میں آسمانی بادشاہی قرار دیا گیا، اس لئے یہودیوں کا حضرت یسوعؑ پر ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ آپ کے پاس کون سی بادشاہی ہے؟ چناں چہ انجیل لوقا میں ہے، ''جب فریسیوں نے اس سے پوچھا کہ خدا کی بادشاہی کب آئے گی؟ تو اس نے جواب میں ان سے کہا کہ خدا کی بادشاہی ظاہری طور پر نہ آئے گی اور لوگ یہ نہ کہیں گے کہ دیکھو یہاں ہے یا وہاں ہے، کیوں کہ دیکھو خدا کی بادشاہی تمہارے درمیان ہے'' (۷۳/ الف) الغرض رسول ونبی کی حیثیت بہ مطابق اناجیل آسمانی بادشاہ اور اس کے منصب رسالت ونبوت کی حیثیت آسمانی بادشاہی کی ہوتی ہے۔ حضرت یسوعؑ آخری پیغمبر نہیں تھے بل کہ ان کی بعثت کا ایک خاص الخاص مقصد یہ تھا کہ وہ لوگوں کو خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خوش خبری سنائیں۔ اس لئے آپ پر نازل ہونے والی آسمانی کتاب کا نام ہی انجیل بہ معنی بشارت ہے۔ حضرت یسوعؑ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو بھی آسمانی بادشاہت قرار دیتے ہوئے بار بار اس بات پر زور دیا ہے کہ یہ آسمانی بادشاہت قریب آرہی ہے، چناں چہ مثلاً انجیل لوقا میں ہے ''اس وقت سے یسوعؑ نے منادی کرنا اور یہ کہنا شروع کیا کہ توبہ کرو، کیوں کہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے'' (۷۳/ ب) اور اسی انجیل میں ہے ''اور یسوع تمام گلیوں میں

پھرتا رہا اور ان کے عبادت خانوں میں تعلیم دیتا اور بادشاہی کی خوش خبری کی منادی کرتا اور لوگوں کی ہر طرح کی بیماری اور ہر طرح کی کم زوری کو دور کرتا رہا'' (۴۳/ ج) اور انجیل متی میں ہے کہ جب حضرت یسوعؑ نے اپنے حواریوں کو اردگرد کے شہروں میں تبلیغ کے لئے بھیجا تو دیگر نصائح کے علاوہ انہیں یہ نصیحت بھی فرمائی ''اور چلتے چلتے یہ منادی کرنا کہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے''، (۴۷/ الف) حضرت یسوعؑ نے تبلیغ کے لئے جب ستر شاگردوں کو روانہ فرمایا تو دوسری باتوں کے علاوہ ان سے یہ بھی فرمایا ''..... اور وہاں کے بیماروں کو اچھا کرو اور ان سے کہو کہ خدا کی بادشاہی تمہارے نزدیک آپہنچی ہے'' (۴۷/ ب) حضرت یسوعؑ نے جو اپنے شاگردوں کو مشہور دعا سکھائی اس میں یہ کلمات بھی موجود ہیں ''اے ہمارے رب تو جو آسمان پر ہے تیرا نام پاک مانا جائے تیری بادشاہی آئے تیری مرضی جیسے آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو.....'' (۴۷/ ج) اناجیل کے ان مضامین سے صاف معلوم ہورہا ہے کہ حضرت یسوعؑ بار بار جس آسمانی بادشاہت کے نزدیک آنے کی بات کررہے ہیں اور لوگوں کو نہایت اہتمام سے خود بھی اور اپنے شاگردوں کے ذریعے بھی بار بار اس کی بشارت سنا رہے ہیں، اس سے خود حضرت یسوعؑ کی رسالت مراد نہیں وہ تو لوگوں میں موجود ہی تھے، چناں چہ اپنی رسالت (آسمانی بادشاہی) کے متعلق تو وہ فریسیوں (یہودیوں کے ایک سخت گیر مذہبی فرقے کے لوگوں کو) پہلے ہی بتا چکے تھے، اور لوگ یہ نہ کہیں گے کہ دیکھو (آسمانی بادشاہت) یہاں ہے یا وہاں ہے، کیوں کہ دیکھو خدا کی بادشاہی تمہارے ہی درمیان ہے'' (۴۵/ الف) نیز جس آسمانی بادشاہت کی آمد آمد کی حضرت یسوعؑ بار بار خوش خبری سنائے جارہے ہیں اگر اس سے خود ان کی اپنی رسالت ونبوت مراد ہوتی تو لوگوں کو یہ دعا سکھانے کی کیا ضرورت تھی کہ اے ہمارے رب، تیری بادشاہی آئے۔ جو چیز پہلے ہی حاصل اور موجود ہو اسے مانگنا تو تحصیل حاصل ہے، لہٰذا اس سے یقیناً خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ہی مراد ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت یسوعؑ کی اس آسمانی بادشاہت والی بشارت سے عیسائی مذہب کا پھیل جانا بھی مراد نہیں لیا جاسکتا ورنہ حضرت یسوعؑ یہ تعلیم بھی ضرور دیتے کہ جب میرا پیغام پھیل جائے اور عیسائیوں کو دنیا میں غلبہ حاصل ہوجائے تو ''تیری بادشاہی آئے''، کی رٹ لگائے جانا بے کار ہوگا، بل کہ پھر یوں کہنا کہ ''شکر ہے کہ تیری بادشاہی آچکی'' بیماریوں کے روحانی علاج کے سلسلے میں خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اذکار وادعیہ کی امت کو تعلیم دی ہے ان میں سے ایک دعا یہ ہے **ربنا اللہ الذی فی السمآء تقدس اسمك امرك فی السماء والارض کی رحمتك فی**

السماء فاجعل رحمتك فی الارض واغفرلنا حوبنا وخطایانا انت رب الطیبین انزل رحمة من رحمتك وشفاء من شفاء ك علیٰ هذا الوجع (۵۷/ب) ''ہمارا رب اللہ ہے جو آسمان میں ہے (اے اللہ!) تیرا نام پاک ہے تیرا حکم (یعنی تیری بادشاہی) آسمان میں (بھی) ہے اور زمین میں (بھی) ہے۔ جس طرح تیری رحمت آسمان میں ہے اسی طرح تو اپنی رحمت زمین میں بھی کردے اور ہمارے گناہ اور خطائیں تو معاف فرمادے، تو پاکیزہ لوگوں کا رب ہے پس تو اپنی رحمت میں سے رحمت اور اپنی شفاءمیں سے شفا اس درد (اور بیماری) پر نازل فرما''۔ اب حضرت یسوعؑ کی دعا کے کلمات بھی ملاحظہ فرمائیے تاکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ دعا سے اس کا تقابل ہو سکے۔ یہاں یہ یاد رہے کہ حضرت یسوعؑ خدا کے حکم سے بیماروں کو شفایاب فرمایا کرتے تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ دعا بھی بیماروں کی شفایابی کے لئے ہے۔ انجیل متی میں حضرت یسوعؑ کی دعا یوں مذکور ہے ''اے ہمارے رب! تو جو آسمان پر ہے تیرا نام پاک مانا جائے۔ تیری بادشاہی آئے تیری مرضی جیسے آسمان پر پوری ہوتی ہے۔ زمین پر بھی ہو۔ ہماری روز کی روٹی آج ہمیں دے اور جس طرح ہم نے اپنے قرضداروں کو معاف کیا ہے تو بھی ہمارے قرض ہمیں معاف کر اور ہمیں آزمائش میں نہ لا بلکہ برائی سے بچا (کیوں کہ بادشاہی، قدرت اور جلال ہمیشہ تیرے ہی ہیں۔ آمین)'' (۵۷/ج) مذکورہ دونوں دعاؤں کا بہ غور تقابل کیجئے۔ حضرت یسوعؑ فرماتے ہیں، ''اے ہمارے رب! تو جو آسمان پہ ہے تیرا نام پاک مانا جائے۔ تیری بادشاہی آئے تیری مرضی جیسے آسمان پر پوری ہوتی ہے۔ زمین پر بھی ہو۔'' یعنی جس آسمانی بادشاہ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اور جس آسمانی بادشاہی (رسالتِ محمدیہ ﷺ) کی بشارتیں خدا کے حکم سے میں لوگوں کو لگاتار دیتا چلا آرہا ہوں، میری دعا ہے کہ یہ سب مستقبل میں اپنے وقت پر پوری ہوں اور خدا کی مرضی (یعنی شریعت محمدیہ) زمین پر پوری ہو۔ چناں چہ جب خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا چکے تو خدا کا حکم زمین پر نافذ ہو گیا اور خدا کی مرضی زمین پر پوری ہو گئی اس لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب موقع ومحل عیسوی دعا کے کلمات میں یوں ترمیم فرما دی کہ اے ہمارے رب جس طرح تیرا حکم آسمان پر نافذ ہے اب وہ زمین پر بھی نافذ ہے جیسا کہ دعا کے ان کلمات سے واضح ہے ''امرك فی السماء والارض'' یعنی تیرا حکم (بالفاظ دیگر تیری بادشاہی) آسمان اور زمین (دونوں میں جاری وساری) ہے۔ اب جو خوش نصیب ہوں گے وہی اس آسمانی بادشاہی یعنی شریعت محمدیہ ﷺ کو قبول کریں گے چناں چہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ دعا میں اللہ تعالیٰ سے

یہ درخواست بھی کی گئی ہے کہ جس طرح تیری رحمت آسمان پر ہے اسی طرح زمین پر بھی کردے (کہ لوگ اس آخری شریعت پر عمل پیرا ہوکر دنیا اور آخرت دونوں میں تیری رحمت میں داخل ہوجائیں) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قلبی خواہش کی قرآن کریم میں یوں ترجمانی کی گئی ہے کہ (اے پیغمبر!) تو اپنی جان شاید اسی (فکر میں) گھلا بیٹھے گا کہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے؟ (اور کیوں دنیا اور آخرت میں رحمت خداوندی کے امیدوار اور مستحق نہیں بنتے؟) (۷۶/ الف) حضرت یسوعؑ کی دعا کی قبولیت کا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی صورت میں ظہور ہوا تو بہ مطابق قرآن کریم خدا نے اپنی مرضی کے زمین پر پوری ہوجانے کا اعلان فرماتے ہوئے اہل ایمان کو یوں مخاطب کیا کہ آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کردیا اور اپنی نعمت میں نے تم پر پوری کردی اور اسلام کو تمہارا دین قرار دینے پر میں راضی ہوگیا (یعنی میری مرضی زمین پر پوری ہوگئی)۔ (۷۶/ ب) عیسوی دعا کا ایک حصہ یہ ہے ''ہماری روزکی روٹی آج ہمیں دے'' یہاں شاید حضرت یسوعؑ کی اصل دعا کے کلمات میں تحریف ہوگئی ہے اگر اس میں تحریف نہیں ہوئی تو حضرت یسوعؑ کا اشارہ اس طرف ہوگا کہ مستقبل میں چونکہ عیسائی حضرات روٹی بالفاظ دیگر دنیوی مفادات کے لالچ میں دین فروشی بل کہ گرجا فروشی تک سے باز نہیں آئیں گے اور لوگوں کو بھی اسی روٹی آٹے اور گھی وغیرہ کا لالچ دے کر خوب گم راہ کیا کریں گے، جیسا کہ دور حاضر میں بھی مسیحی ادارے کھلم کھلا ایسا کررہے ہیں، اس لئے حضرت یسوعؑ نے انہیں یہ دعا سکھائی کہ روزکی روٹی روزانہ ہی مل جایا کرے وہ روٹی کی خاطر نہ خود گم راہ ہوں اور نہ ہی دوسروں کو گم راہ کریں ورنہ غور کیجئے کہ روٹی تو خدا اپنے دوست و دشمن، مومن و کافر، صالح و فاجر ہر کسی کو اس دنیا میں دیتا ہے۔ اس کے مقابلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا متعلقہ حصہ یہ ہے انت رب الطیبین کہ ''اے اللہ تو پاکیزہ لوگوں کا رب ہے''۔ رب وہ ہے جو ہر چیز کو نشوونما دے کر اسے بہ تدریج درجہ کمال تک پہنچاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جہاں تک انسانوں کی نشوونما کا تعلق ہے تو اس میں جسمانی اور روحانی ہر طرح کی نشوونما اور تربیت شامل ہے چنانچہ انت ربُّ الطیبین (تو پاکیزہ لوگوں کا رب ہے) کے کلمات لاکر کفر و شرک اور فسق و فجور میں مبتلا ناپاک لوگوں کو خارج کردیا گیا ورنہ کفار اور فساق و فجار لوگوں کی دنیوی اور جسمانی ضرورتوں کا کفیل اور رب بھی وہی ہے۔ زیر بحث عیسوی دعا کا اردو بائبل کے مطابق ایک حصہ یوں ہے ''اور جس طرح ہم نے اپنے قرض داروں کو معاف کیا ہے تو بھی ہمارے قرض ہمیں معاف کر''۔ دعا کا یہ حصہ یقیناً محرف ہے، چناں چہ عربی بائبل کے متعلقہ کلمات یوں ہیں ''واغفر لنا ذنوبنا کما نغفر ایضاً للمذنبین'' یعنی

ہمارے گناہ ہمیں بخش دے جیسا کہ ہم بھی گناہ گاروں کو بخش دیا کرتے ہیں'' اور گڈ نیوز بائبل'' کا مضمون بھی یہی ہے جو عربی بائبل کا ہے:

Forigve us the wrongs we have done as we forgive the wrongs that others have done to us"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا متعلقہ حصہ بھی یوں ہے واغفرلنا حوبنا وخطایانا یعنی تو ہمارے گناہوں اور ہماری خطاؤں کو ہمارے لئے بخش دے۔ اردو بائبل کے اس متعلقہ حصے میں تحریف کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ حضرت یسوعؑ خود بھی یہی دعا پڑھتے تھے اس سے عیسائیوں کو یہ پریشانی لاحق ہوئی کہ اس سے ان کے خیال میں حضرت یسوعؑ کے معصوم عن الخطاء ہونے پر حرف آتا ہے اسی لئے انہوں نے چپکے سے تحریف کر ڈالی۔ حال آں کہ یہاں دل خراش امر یہ ہے کہ موجودہ (محرف) اناجیل سے حضرت یسوعؑ کا معصوم عن الخطاء ثابت ہونا تو ایک طرف رہا، یہ اناجیل تو آپ کو (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) سرے سے سچا مسیح ہونے کے منصب سے نکال باہر کر رہی ہیں جیسا کہ ہم اس سلسلۂ مضامین میں ''عصمتِ یسوعؑ اور بائبل'' اور ''مسیحیت یسوعؑ اور اناجیل'' کے عنوانات کے تحت بہ خوبی واضح کر چکے ہیں۔ (۶/۷ ج)

آسمانی بادشاہی کے متعلق حضرت یسوعؑ نے متعدد تمثیلیں بیان کی ہیں۔ ان میں سے ایک مشہور تمثیل انجیل متی میں یوں مذکور ہے ''ایک اور تمثیل سنو، ایک گھر کا مالک تھا اس نے تاکستان لگایا اور اس کی چاروں طرف احاطہ گھیرا اور اس میں حوض کھودا اور برج بنایا اور اسے باغبانوں کو ٹھیکے پر دے کر پردیس چلا گیا۔ اور جب پھل کا موسم آیا تو اس نے اپنے نوکروں کو باغبانوں کے پاس اپنا پھل لینے کو بھیجا اور باغبانوں نے اس کے نوکروں کو پکڑ کر پیٹا اور کسی کو قتل کیا اور کسی کو سنگسار کیا۔ پھر اس نے اور نوکروں کو بھیجا جو پہلوں سے زیادہ تھے اور انہوں نے ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا۔ آخر اس نے اپنے بیٹے کو ان کے پاس یہ کہہ کر بھیجا کہ وہ میرے بیٹے کا تو لحاظ کریں گے۔ جب باغبانوں نے بیٹے کو دیکھا تو آپس میں کہا، یہی وارث ہے۔ آؤ اسے قتل کر کے اس کی میراث پر قبضہ کر لیں اور اسے پکڑ کر تاکستان سے باہر نکالا اور قتل کر دیا۔ پس جب تاکستان کا مالک آئے گا تو ان باغبانوں کے ساتھ کیا کرے گا؟ انہوں نے اس سے کہا، ان بدکاروں کو بری طرح ہلاک کرے گا اور تاکستان کا ٹھیکہ دوسرے باغبانوں کو دے گا جو موسم پر اس کو پھل دیں۔ یسوعؑ نے ان سے کہا کیا تم نے کتاب مقدس میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے اس

لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دے دی جائے گی۔ اور جو اس پتھر پر گرے گا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا لیکن جس پر وہ گرے گا اسے پیس ڈالے گا۔ اور جب سردار کاہنوں اور فریسیوں نے اس کی تمثیلیں سنیں تو سمجھ گئے کہ ہمارے حق میں کہتا ہے۔'' (۷۷/الف)

اس تمثیل میں تاکستان کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور باغ سے شریعت کی جانب اشارہ ہے اور اس کا احاطہ گھیرنے اور اس میں حوض کھودنے اور برج بنوانے سے مراد شریعت کے اور مرونواہی ہیں۔ سرکش باغبانوں سے مراد یہودی ہیں جیسا کہ سرور کاہنوں نے سمجھا اور بھیجے جانے والے نوکروں سے مراد حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں جو اللہ کے بندے اور خادم ہوتے ہیں۔ ان سے یہودیوں کی بدسلوکی ہر کسی کو معلوم ہے اور بیٹے سے مراد آخری اسرائیلی پیغمبر حضرت یسوع (علیہ السلام) ہیں جنہیں عیسائی آج بھی خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور ان کے عقیدے کے مطابق یہودیوں نے انہیں مصلوب کر کے قتل کیا اور وہ پتھر جسے معماروں نے رد کیا اور وہی کونے کا پتھر ہو گیا، اشارہ ہے خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف، کیوں کہ دین اسلام کی عمارت کا آخری پتھر آپ ہی ہیں اور وہ امت جو باغ شریعت کا پھل لائے گی، امتِ محمدیہؐ ہے اور یہی وہ پتھر ہے کہ جو اس پر گرا ریزہ ریزہ ہو گیا اور جس پر یہ پتھر گرا وہ پس گیا۔ جس قوم سے بادشاہت لے لی جائے گی، اس سے مراد دینی اسرائیل ہیں اور جس قوم کو یہ بادشاہت دے دی جائے گی، اس سے مراد بنی اسماعیل ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق اسی قوم سے ہے۔ یہاں کونے کے پتھر سے مراد حضرت یسوعؑ نہیں ہو سکتے، کیوں کہ وہ بنی اسرائیل ہی سے ہیں کسی اور قوم سے نہیں ورنہ حضرت داؤدؑ کا یہ کہنا کہ ''یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے''، بے معنی ہوگا۔ نیز اس بشارت میں ہے کہ جو اس پتھر پر گرے گا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا، حضرت یسوعؑ تو خود مظلوم تھے۔ البتہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام دشمنوں پر پوری طرح غالب آئے۔ اس سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول متعلقہ احادیث سے بھی واضح ہو رہا ہے کہ اس انجیلی بشارت سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی اور مراد نہیں ہو سکتا۔ آپ کا ارشاد ہے کہ میری اور دوسرے انبیاء کی مثال ایک نہایت خوب صورت محل کی طرح ہے مگر اس کے ایک حصے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے۔ دیکھنے والے اس عمارت کی خوبصورتی کو دیکھ کر تعجب کرتے ہیں مگر ایک اینٹ کی جگہ خالی دیکھتے ہیں۔ اس عمارت کی تکمیل مجھ سے ہوئی اور مجھ پر رسولوں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے اور ایک روایت

میں یہ ہے کہ وہ آخری اینٹ میں ہی ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں (فکنت انا سدوت موضع اللبنة وختم بی البنیان وختم بی الرسل وفی روایة فانا اللبنة وانا خاتم النبیین)۔(۷۷/ب)

بہ مطابق انجیل متی حضرت یسوعؑ نے ایک مرتبہ آسمان کی بادشاہی کی مثال گھر کے اس مالک سے دی جس نے علی الصبح اپنے تاکستان میں روزانہ ایک دینار کی اجرت پر مزدور لگائے۔ اس کے بعد پھر دن چڑھے، دوپہر اور سہ پہر کو اور مزدور بھی لگا دیئے۔ شام کے وقت مالک نے سب ہی مزدوروں کو ایک ایک دینار دیا جس پر صبح سے کام کرنے والے مزدوروں نے شکایت کی کہ بعد میں آنے والوں کو ان کے برابر اجرت کیوں دی گئی؟ گھر کے مالک نے انہیں جواب دیا کہ جب میں نے تمہیں طے شدہ اجرت دے دی تو تمہاری شکایت درست نہیں، کیوں کہ میں جسے جتنا چاہوں دوں۔ تم اپنی طے شدہ مزدوری لو۔ اس طرح اول آخر ہو جائیں گے اور آخر اول (۷۷/ج) اب دیکھئے اس سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ گذشتہ امتوں کے مقابلہ میں دنیا میں تمہارے (یعنی امت محمدیہ) کے قیام کی مدت ایسی ہے جیسے عصر کی نماز سے سورج کے غروب ہونے تک کا وقت ہوتا ہے۔ اہل تورات کو تورات دی گئی تو وہ اس پر عمل پیرا ہوئے یہاں تک کہ نصف دن گزر گیا اور وہ تھک گئے تو انہیں ایک ایک قیراط (سونے چاندی کا ایک وزن) دیا گیا۔ پھر انجیل والوں کو انجیل دی گئی۔ انہوں نے اس پر عمل کیا یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو گیا تو انہیں بھی ایک ایک قیراط دیا گیا۔ پھر ہمیں قرآن کریم دیا گیا ہم نے سورج کے غروب ہونے تک کام کیا تو ہمیں دو دو قیراط دیئے گئے۔ اس پر اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) نے کہا (اے! تو نے ہمیں تو ایک ایک قیراط دیا اور انہیں (یعنی امت محمدیہ کو) دو دو قیراط تو نے دیے۔ اللہ عزوجل نے ان سے فرمایا کہ کیا میں نے تمہاری اجرت کے بارے میں تم پر کوئی ظلم کیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ (اللہ نے) فرمایا یہ میرا فضل ہے جسے میں چاہوں دوں۔ ہم دنیا میں سب سے آخر میں ہیں لیکن قیامت کے دن (بہ لحاظ اجر و ثواب) سب سے پہلے ہیں (نحن الآخرون من اهل الدنیا والاولون یوم القیامة)۔(۷۸/الف)

آسمانی بادشاہی کے متعلق حضرت یسوعؑ نے رائی کے دانے اور ترکاری کے پودے کی جو تمثیلیں بہ مطابق اناجیل بیان فرمائی ہیں۔ وہ قرآن کریم کی سورہ الفتح کی آخری آیات کے مضمون سے بہت ملتی جلتی ہیں اور بائبل کی کتاب استثناء میں موجود فاران والی بشارت کے متعلقہ مباحث میں ہم نے ان انجیلی تمثیلوں کی بھی وضاحت کر دی ہے اور ان کا تقابل قرآنی مضامین سے کیا ہے (۷۸/ب) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے۔ آپ نے کبھی بائبل کسی سے نہیں پڑھی تھی۔ حضرت یسوعؑ کی بیان کردہ تمثیلوں سے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلقہ احادیث کی مشابہت حیرت انگیز ہے جو یہ ظاہر کر رہی ہے کہ حضرت یسوع کی مذکورہ بالا تمثیل کا مصداق خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور امت محمدیہ ہے۔ کاش اہل کتاب تعصب سے بالاتر ہو کر نور فرمائیں۔

(ز) **وہ نبی**: انجیل یوحنا میں ہے ''اور یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے؟ تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بل کہ اقرار کیا کہا میں مسیح نہیں ہوں۔ انہوں نے اس سے پوچھا پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ کیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ پس انہوں نے اس سے کہا پھر تو ہے کون؟ ..... اس نے کہا میں بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ سیدھی کرو .....'' (۸۷/ ج) مذکورہ عبارت میں ''وہ نبی'' سے مراد ہمارے نزدیک خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں انبیائے سابقین نے آپ کے متعلق اس تواتر سے بشارتیں دی تھیں کہ حضرت یوحنا (یحییٰ) سے سوال پوچھنے والے یہودیوں نے ''وہ نبی'' کہنا کافی سمجھا۔ یقیناً یہاں ''وہ نبی'' سے مراد ایلیاہ اور یسوع نہیں ہو سکتے، کیوں کہ اس سے پہلے لوگ حضرت یوحنا سے یہ پوچھ چکے تھے کہ کیا تو ایلیاہ ہے؟ کیا تو مسیح ہے؟ اور حضرت یوحنا انہیں بتا چکے تھے کہ میں مسیح نہیں ہوں اور ایلیاہ ہونے سے بھی انہوں نے انکار فرمایا۔ پس جس تیسرے نبی کا لوگوں کو انتظار تھا اور جس کی لوگوں میں اتنی شہرت تھی کہ انہوں نے ''وہ نبی'' کہنا کافی سمجھا وہ صرف اور صرف خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(ح) **فارقلیط والی بشارت**: انجیل یوحنا کی یہ عبارتیں توجہ طلب ہیں۔ ''اور میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے یعنی روح حق جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی، کیوں کہ نہ اسے دیکھتی ہے، نہ جانتی ہے تم اسے جانتے ہو، کیوں کہ وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے اور تمہارے اندر ہوگا'' (۸۷/ الف)

''میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں لیکن مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا'' (۸۷/ ب) ''اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیوں کہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں''۔ (۸۷/ ج) ''لیکن جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کا روح جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا'' (۸۸/ الف)۔ لیکن میں

تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیوں کہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر میں جاؤں گا تو تمہارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آ کر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا۔ گناہ کے بارے میں اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے'' (۸۰/ ب) ''مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا کہ وہ میرا جلال ظاہر کرے گا اس لئے کہ مجھ ہی سے حاصل کر کے تمہیں خبریں دے گا۔ جو کچھ باپ کا ہے وہ سب میرا ہے اس لئے میں نے کہا کہ وہ مجھ ہی سے حاصل کرتا ہے اور تمہیں خبریں دے گا'' (۸۰/ ج)

یہاں درج ذیل نکات توجہ طلب ہیں!

(۱) مذکورہ بالا عبارتوں میں حضرت مسیح بار بار یہ بشارت دے رہے ہیں کہ تمہارے پاس میں ایک مددگار بھیجوں گا اور یہ کہ جب تک میں خود اس دنیا سے نہ جاؤں وہ مددگار نہیں آئے گا۔ جس یونانی لفظ کا ترجمہ ''مددگار'' کیا گیا ہے وہ عیسائیوں کے نزدیک Paracietus ہے جس کے معنی میں خود عیسائیوں میں شدید اختلاف ہے۔ کبھی وہ اس کا معنی Consolator (تسلی دینے والا) کبھی Teacher (معلم) کبھی Assistant (مددگار) اور کبھی Advocate (وکیل، سفارش کرنے والا) کرتے ہیں۔ (۸۱/ الف) اس لفظ کو مشرقی زبانوں عربی، فارسی اور اردو وغیرہ میں ڈھالتے ہوئے ''فارقلیط'' بولا جاتا ہے اور بائبل کے ابتدائی اردو تراجم میں ''فارقلیط'' ہی لکھا گیا تھا۔ چوں کہ ہمارے نزدیک فارقلیط کا ترجمہ ''مددگار'' صحیح نہیں ہے اس لئے ہم آئندہ سطور میں ''مددگار'' کی بہ جائے زیادہ تر ''فارقلیط'' ہی لکھیں گے۔ یونانی زبان میں ایک دوسرا لفظ Periclytos ہے جس کا معنی ہے ''تعریف کیا ہوا'' جو عربی میں محمد اور احمد کے بالکل ہم معنی ہے۔ کیوں کہ احمد کا ایک معنی ہے وہ شخص جو اللہ کی ''سب سے زیادہ تعریف کرنے والا'' ہو اور دوسرا معنی ہے وہ شخص جس کی ''سب سے زیادہ تعریف کی گئی ہو'' یا جو لوگوں میں ''سب سے زیادہ قابل تعریف ہو۔ ادھر قرآن کریم میں ہے واذ قال عیسیٰ ابن مریم یٰبنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التوراۃ ومبشراً برسول یأتی من بعدی اسمہ احمد، (۸۱/ ب) ''اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب عیسیٰ بن مریم نے کہا، اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ میں تورات کی تصدیق کرتا ہوں جو میرے سامنے موجود ہے اور میں ایک رسول

کی (تمہیں) خوش خبری دے رہا ہوں جو میرے بعد ہوگا اس کا نام احمد ہوگا''۔ مستند احادیث سے ثابت ہے کہ خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ''محمد'' بھی ہے اور ''احمد'' بھی ہے (۸۱/ ج) ورنہ اگر آپ کا نام مبارک احمد نہ ہوتا اور قرآن کریم خود آپ نے (معاذ اللہ) گھڑ لیا ہوتا تو آپ آیت میں احمد کی بہ جائے محمد کا نام لاتے۔ نیز اگر آپ کا نام احمد نہ ہوتا تو آپ کے دور کے آپ کے شدید ترین مخالف مشرکین اور اہل کتاب آسمان سر پر اٹھا لیتے اور خود صحابہ کرامؓ بھی شکوک وشبہات کا شکار ہو جاتے، الغرض قرآن کریم کی مذکورہ آیت کی روشنی میں ہم اہل اسلام کا ایمان ہے کہ حضرت عیسیٰ نے اپنی مادری زبان میں جو لفظ استعمال فرمایا تھا وہ صریح احمد کا لفظ تھا یا ایسا لفظ مثلاً ''منحمنا'' تھا جس کا عربی میں ترجمہ ٹھیک ''احمد'' بنتا ہے پس یونانی زبان میں اصل لفظ Periclytos ہی تھا جسے بعد میں شعوری یا غیر شعوری تحریف سے Paracletus کر دیا گیا۔ عیسائیت پر زیر نظر مضامین پر سرسری نظر ڈالنے سے ہی قارئین کرام کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ اپنی مقدس کتابوں میں تحریف کر ڈالنا تو اہل کتاب کا بائیں ہاتھ کا کرتب ہے۔ آج کل جو اناجیل کے قدیم ترین یونانی نسخے دست یاب ہیں ان کا کوئی بھی نسخہ چوتھی صدی عیسوی/ تیسری صدی قبل ہجرت سے پہلے کا نہیں ہے۔ اس طویل عرصے میں ترجمہ در ترجمہ جو شعوری اور غیر شعوری تصرفات اور تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں، ان کا ثبوت خود اناجیل کے تضادات اور اختلافات سے ملتا ہے، لہٰذا عیسائیوں کے پاس اپنے اس اصرار پر کہ یونانی لفظ Paracletus ہی ہے Periclytos نہیں، سوائے ضد اور تعصب کے ہرگز ہرگز کوئی ایسی علمی دلیل نہیں ہے جس کا صحیح ہونا وہ یقینی طور پر ثابت کر سکیں اگر عیسائیوں کا یہ اصرار ہے کہ یونانی لفظ PAracletus ہی تھا تو بھی اس کے جو تراجم انہوں نے کئے ہیں حسن اتفاق سے ان سب کا مصداق بھی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم بہ خوبی ٹھہرتے ہیں۔ تسلی دینے والا، مُعَزی کے مقابل جامع عربی لفظ رحمۃ للعالمین ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور وصفی نام ہے۔ ایڈووکیٹ یعنی سفارش کرنے والے کے مقابل عربی لفظ شفیع المذنبین (گناہ گاروں کا سفارشی) بھی آپ کا مشہور ومعروف وصفی نام ہے۔ مددگار اور استاد کے مقابل عربی الفاظ ناصر اور معلم کے ہیں اور مسلمانوں کے ہاں یہ بھی آپ کے معروف نام ہیں۔

(۲) فلسطین اور اس کے ملحقہ علاقے ساتویں صدی عیسوی کے نصف اول/ پہلی صدی ہجری کے نصف اول میں اسلامی مملکت کا حصہ بن چکے تھے۔ فلسطینی عیسائیوں کی نویں صدی عیسوی/ تیسری صدی ہجری تک زبان سریانی تھی۔ قدیم مسلم سیرت نگاروں میں ابن اسحاق کا سال وفات ۷۶۸ عیسوی/

۱۵۱ ہجری اور ابن ہشام کا سال وفات ۸۲۸ عیسوی/ ۲۱۳ ہجری ہے۔ ان دونوں سیرت نگاروں کے لئے فلسطینی عیسائیوں سے رابطہ بہت آسان تھا۔ اسی زمانے میں اسلامی مقبوضات میں یونانی بولنے والے عیسائی بھی بڑی تعداد میں موجود تھے۔ اس لئے کسی سریانی لفظ کا یونانی زبان میں مترادف اور ہم معنی لفظ معلوم کرنے میں کوئی دشواری حائل نہ تھی۔ اس سے بھی ثابت ہو رہا ہے کہ عربی زبان کے احمد کا سریانی زبان میں ابن ہشام وغیرہ نے جو مترادف وہم معنی لفظ ''منحمنا'' لکھا ہے، یونانی زبان میں یہ Periclytos ہی تھا جسے عربی لہجے میں ڈھالتے ہوئے فارقلیط بولا جاتا ہے۔

(۳) عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ انجیل یوحنا کے زیر نظر مضامین میں فارقلیط سے مراد روح القدس ہے جس کا حواریوں پر نزول نئے عہد نامے کی کتاب ''رسولوں کے اعمال'' کے مطابق حضرت یسوعؑ کے رفع سماوی کے بعد عید خمسینہ (Pentecost) کے روز ہوا تھا۔ یہ عید خمسینہ یہودیوں کی ماہ نیساں میں ہونے والی عید الفسح کے پچاس روز بعد ہوا کرتی ہے۔ کتاب اعمال کے دوسرے باب کے ابتدائی حصے میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس دن آسمان سے اچانک عجیب قسم کی آوازیں آئیں۔ لوگوں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو آگ کے شعلوں کی مانند پھٹی ہوئی زبانیں نظر آئیں اور حواری غیر زبانیں بولنے لگے، کیوں کہ وہ روح القدس سے بھر گئے تھے۔ وہاں لوگوں کی بھیڑ لگ گئی۔ وہ سخت حیران تھے کہ ہر ایک کو یہی سنائی دیتا تھا کہ وہ میری ہی بولی بول رہے ہیں اور خدا کے بڑے بڑے کام بیان کر رہے ہیں۔ لوگوں کی حیرت دور کرنے کے لئے پطرس حواری نے انہیں بتایا کہ حضرت یسوعؑ کے وعدے کے مطابق یہ روح القدس تھا اور اس سلسلے میں یوئیل نبی کا حوالہ دیتے ہوئے پطرس نے بتایا کہ یوئیل نبی کی خبر کے مطابق خدا نے فرمایا تھا کہ آخری دنوں میں اپنے روح میں سے ہر بشر پر ڈالوں گا اور تمہارے بیٹے اور بیٹیاں نبوت کریں گی (۸۲/ الف) روح القدس کے اس مبینہ نزول کے متعلق انجیل لوقا میں ہے کہ حضرت یسوعؑ نے اپنی (مبینہ) مصلوبیت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے پر حواریوں سے فرمایا تھا ''اور دیکھو جس کا میرے باپ نے وعدہ کیا ہے میں اس کو تم پر نازل کروں گا لیکن جب تک عالم بالا سے تم کو قوت کا لباس نہ ملے اس شہر میں ٹھہرے رہو''۔ (۸۲/ ب) کتاب ''رسولوں کے اعمال'' کا مولف بھی لوقا ہی ہے وہ کتاب اعمال میں حضرت یسوعؑ کے مذکورہ (مبینہ) قول کو یوں بیان کرتا ہے ''اور ان سے مل کر ان کو حکم دیا کہ یروشلم سے باہر نہ جاؤ، بل کہ باپ کے اس وعدہ کے پورا ہونے کے منتظر رہو جس کا ذکر تم مجھ سے سن چکے ہو، کیوں کہ یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) نے تو پانی سے بپتسمہ دیا مگر تم تھوڑے دنوں کے بعد روح القدس سے بپتسمہ پاؤ گے'' (۸۲/ ج)

عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ انجیل یوحنا میں فارقلیط سے مراد یہی روح القدس ہے۔ مگر ہمارے نزدیک عیسائیوں کا یہ دعویٰ متعدد ناقابل تردید دلائل کی بنا پر غلط ہے۔ اولاً مسیحی تثلیث (باپ، بیٹا اور روح القدس) چونکہ ان کے ہاں ایک تثلیثی وحدت ہے اور خدا ایک ہی ہے اس لئے باپ، بیٹے اور روح القدس کا درجہ برابر ہے۔ ادھر انجیل یوحنا کی متعلقہ عبارتوں میں یہ بھی ہے ''دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں'' یعنی روح القدس اور بیٹے (حضرت یسوعؑ) کا درجہ برابر نہیں۔ پس یہاں ''دنیا کا سردار آتا ہے'' سے مراد ہرگز اصطلاحی روح القدس نہیں ہوسکتا، بل کہ اس سے مراد ہمارے نزدیک سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ثانیاً عیسائیوں کے نزدیک اصطلاحی روح القدس بھی خدا ہے۔ خدا کا علم حضوری اور ذاتی ہوتا ہے نہ کہ حصولی اور عطائی۔ ادھر انجیل یوحنا کی متعلقہ عبارتوں میں یہ بھی ہے ''اس لئے کہ وہ (فارقلیط) اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا ... اس لئے میں نے کہا کہ وہ مجھ سے حاصل کرتا ہے اور تمہیں خبریں دے گا''۔ خدا دوسروں سے سن کر علم اور خبریں حاصل نہیں کیا کرتا پس یہاں فارقلیط سے ہرگز اصطلاحی روح القدس مراد نہیں ہے بل کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں، کیوں کہ آپ نے خدا سے خبریں حاصل کر کے نوع انسانی تک پہنچائیں۔ باقی رہا یہ شبہ کہ فارقلیط تو حضرت یسوعؑ سے خبریں حاصل کرے گا۔ اس کا جواب خود حضرت مسیحؑ نے ہی یوں دیا ہے، ''جو کچھ باپ کا ہے وہ سب میرا ہے اس لئے میں نے کہا کہ وہ مجھ ہی سے حاصل کرتا ہے'' یعنی خاتم النبیین باپ (یعنی خدا) سے خبریں حاصل کریں گے چونکہ جو کچھ باپ کا ہے وہ سب میرا ہے اس لئے یہ کہنا کہ فارقلیط باپ سے خبریں حاصل کرے گا یا مجھ سے کرے گا، ایک ہی بات ہے۔ ثالثاً اگر انجیل یوحنا کے فارقلیط سے اصطلاحی روح القدس مراد ہوتا تو حواریوں سے حضرت یسوعؑ سیدھا یہی فرماتے کہ تم پر روح القدس کا نزول ہوگا جیسا کہ انجیل لوقا اور کتاب اعمال کے مطابق حضرت یسوعؑ نے صاف اور غیر مبہم الفاظ میں حواریوں پر اصطلاحی روح القدس کے نزول کا وعدہ فرمایا تھا چناں چہ بہ مطابق کتاب اعمال عید خمسینہ کے روز یہ وعدہ پورا ہوگیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس موقع پر پطرس حواری نے لوگوں کو بتایا کہ یہ وہی روح القدس ہے جس کا وعدہ حضرت یسوعؑ نے فرمایا تھا لیکن فارقلیط کا ذکر تک نہیں کیا، پس عید خمسینہ (Pentecost) کے دن جس روح القدس کا نزول ہوا تھا وہ ہرگز فارقلیط نہیں۔ بل کہ فارقلیط والی بشارت ایک الگ مستقل بشارت ہے جس کا اصطلاحی روح القدس والی بشارت سے کوئی تعلق نہیں، رابعاً فارقلیط والی بشارت تو انجیل یوحنا کی ہے جب کہ عید خمسینہ کے روز اصطلاحی روح القدس کے نزول کے

ہیں انجیل لوقا اور کتاب اعمال کے ہیں۔ عیسائیوں کی اناجیل اربعہ میں جو تضادات اور اختلافات موجود ہیں وہ کسی صاحب نظر سے ہرگز مخفی نہیں، لہٰذا اختلافی امور میں عقل سلیم کا فیصلہ یہی ہے کہ ہر انجیل کے مضمون کی توضیح وتشریح خود اسی انجیل کے مضامین سے ہونی چاہئے۔ انجیل یوحنا کے مطابق تو اصطلاحی روح القدس حواریوں کو مبینہ مصلوبیت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے پر حضرت یسوعؑ کے عروج آسمانی سے پہلے ہی حاصل ہو گیا تھا، اسے کسی مستقبل کے وعدے پر نہیں چھوڑا گیا تھا، چناں چہ انجیل یوحنا میں حضرت یسوعؑ کا متعلقہ قول یوں ہے ''تمہاری سلامتی ہو جس طرح باپ نے مجھے بھیجا ہے اسی طرح میں بھی تمہیں بھیجتا ہوں۔ اور یہ کہہ کر ان پر پھونکا اور ان سے کہا روح القدس لو'' (۸۳/ الف) پس بہ مطابق انجیل یوحنا، فارقلیط سے اصطلاحی روح القدس مراد نہیں ہے جو حواریوں کو حضرت یسوعؑ کے رفع سماوی سے پہلے ہی حاصل ہو چکا تھا اور انجیل یوحنا کے مضامین کی وضاحت لوقا کی انجیل یا لوقا کی کتاب اعمال سے نہیں کی جاسکتی اس کے لئے خود یوحنا کی انجیل ہی کو ترجیح دی جائے گی۔ خامساً انجیل یوحنا میں فارقلیط کے متعلق حضرت یسوعؑ کا یہ قول بھی ہے کہ ''اگر میں نہ جاؤں تو وہ تمہارے پاس نہیں آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو تمہارے پاس بھیج دوں گا''۔ اس سے پتہ چلا کہ یہاں اصطلاحی روح القدس مراد نہیں ہوسکتا وہ تو حضرت یسوعؑ کے ہوتے ہوئے بھی آتا رہا تھا اور حواریوں پر اس کا نزول اس وقت بھی ہوا تھا جب حضرت یسوعؑ نے انہیں دعوت وتبلیغ کے لئے مختلف اسرائیلی شہروں میں بھیجا تھا۔ حضرت یسوعؑ نے فرمایا تھا ''میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے''۔ یہاں مددگار کے ساتھ ''دوسرا'' کا لفظ بتا رہا ہے کہ یہ اصطلاحی روح القدس نہیں جس کا بار بار نزول پہلے بھی ہوتا رہا تھا مثلاً اس کا نزول بہ مطابق اناجیل کبوتر کی شکل میں حضرت یسوعؑ پر ہوا تھا اور مثلاً بہ مطابق اناجیل حضرت یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) ماں کے پیٹ ہی سے روح القدس سے بھرے ہوئے تھے اور مثلاً شمعون نام کا ایک شخص بھی حضرت زکریاؑ اور حضرت یوحنا (یحییٰ) کے زمانے سے روح القدس کا فیض حاصل کئے ہوئے تھا۔ (۸۳/ ب) پس اگر ''دوسرا مددگار'' سے اصطلاحی روح القدس مراد ہوتا تو حضرت یسوعؑ اسے ''دوسرا'' قرار نہ دیتے۔ سادساً انجیل یوحنا کے مضامین میں فارقلیط کی تشریح یوں کی گئی ہے ''یعنی روح حق یعنی روح القدس یعنی سچائی کا روح'' ان عبارتوں میں ''یعنی'' کا لفظ صاف ظاہر کر رہا ہے کہ فارقلیط کی یہ تشریح حضرت یسوعؑ نے ہرگز نہیں فرمائی بل کہ مترجمین نے یہ الفاظ اپنی طرف سے بڑھائے ہیں، مثلاً انجیل متی میں حضرت یسوعؑ کی مبینہ مصلوبیت کے موقع پر آپ کے یہ کلمات منقول ہیں ''ایلی ایلی

لما شبقتنی'' آگے لکھا ہے ''یعنی اے میرے خدا، اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا''؟ صاف ظاہر ہے کہ یہ ترجمہ ہے حضرت یسوعؑ کے اپنے کلمات نہیں ہیں۔ بعینہٖ اسی طرح انجیل یوحنا میں فارقلیط کی تشریح بھی حضرت یسوعؑ کی طرف سے نہیں ورنہ فارقلیط کا لفظ لانے کے تکلف کی کیا ضرورت تھی آپ سیدھا یہ فرماتے کہ روح القدس تمہارے پاس آئے گا، چناں چہ انجیل لوقا اور کتاب اعمال میں صاف اور غیر مبہم الفاظ میں روح القدس کی آمد کے وعدے کا ذکر ہے وہاں فارقلیط کا لفظ نہیں ہے۔ اگر فارقلیط سے روح القدس، سچائی کا وعدہ، روح حق مراد بھی لیا جائے تو یہاں روح القدس سے پاکیزہ روح مراد لی جائے گی نہ کہ اصطلاحی روح القدس مراد ہوگا۔ چناں چہ بائبل میں روح کا لفظ انسانوں پر بولا گیا ہے، مثلاً بائبل کے نئے عہد نامے میں یوحنا کے خط میں ہے ''اے عزیزو! ہر ایک روح کا یقین نہ کرو بل کہ روحوں کو آزماؤ کہ وہ خدا کی طرف سے ہیں یا نہیں، کیوں کہ بہت سے جھوٹے نبی دنیا میں نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ خدا کی روح کو تم اس طرح پہچان سکتے ہو کہ جو کوئی روح اقرار کرے کہ یسوع مسیح مجسم ہو کر آیا ہے وہ خدا کی طرف سے ہے'' (۸۳/ ج) نیز اسی خط میں ہے ''جو خدا کو جانتا ہے وہ ہماری سنتا ہے جو خدا سے نہیں وہ ہماری نہیں سنتا اس سے ہم حق کی روح اور گم راہی کی روح کو پہچان لیتے ہیں'' (۸۴/ الف) مذکورہ مضامین میں روح کا اطلاق اچھے اور برے انسانوں پر کیا گیا ہے اور ''حق کی روح'' سے ''اچھا انسان'' مراد لیا گیا ہے، یہاں حق کی روح سے ہرگز اصطلاحی روح القدس یا کوئی جن یا فرشتہ مراد نہیں، بعینہٖ اسی طرح انجیل یوحنا میں فارقلیط، سچائی کا روح، روح حق سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ سابعاً انجیل یوحنا کی متعلقہ عبارتوں میں ہے ''وہ تمہیں سب باتیں سکھائے گا'' اگر یہ باتیں حواریوں نے پہلے ہی سے سیکھ رکھی تھیں تو فارقلیط کا انہیں دوبارہ یہ باتیں سکھانا محض بے کار اور لاحاصل ہے اور اگر نئی باتیں سکھانی ہوں تو حواریوں پر روح القدس کے مبینہ نزول کے موقع پر ان نئی باتوں کا کوئی تذکرہ کتاب اعمال میں نہیں ہے۔ پس اس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی باتیں مراد ہیں جو انہوں نے نئی شریعت محمدیہ میں لوگوں کو سکھائیں۔ اور انجیل یوحنا کی عبارتوں کا حصہ ''اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ تمہیں یاد دلائے گا'' ظاہر کر رہا ہے کہ حضرت محمدؐ عیسائیوں کو یاد دلائیں گے کہ میں وہی رسول اور وہی احمد ہوں جن کی آمد کی بشارتیں حضرت یسوعؑ نے دی تھیں۔ ثامناً انجیل یوحنا کی زیر نظر بشارتوں میں یہ بھی ہے ''اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا۔ گناہ کے بارے میں اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے''۔ حواریوں پر جس مبینہ روح القدس کا نزول ہوا تھا اس موقع پر ہرگز اس نے کسی کو

قصوروار نہیں ٹھہرایا، پس انجیل یوحنا کے فارقلیط سے ہرگز اصطلاحی روح القدس مراد نہیں ہے، بل کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچائی کی روح سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ آپ نے حضرت یسوعؑ کے بارے میں یہودیوں کو سخت قصوروار ٹھہرایا۔ قرآن کریم میں یہودیوں کے ملعون ومغضوب ہونے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی کہ انہوں نے حضرت یسوعؑ کی والدہ ماجدہ حضرت مریم صدیقہؓ پر (معاذ اللہ) بدکاری کا بہتان لگایا اور حضرت یسوعؑ کی رسالت کا انکار کیا اور فخریہ انداز میں انہوں نے یہ (سراسر جھوٹا) دعویٰ کیا کہ ہم نے عیسیٰ کو جو اللہ کا رسول کہلاتا تھا قتل کر دیا تھا (۸۴/ ب) عیسائیوں کو بھی آپ نے سخت قصوروار ٹھہرایا جنہوں نے حضرت یسوعؑ کو خدا اور خدا کا بیٹا قرار دیا۔ (۸۴/ ج) انجیل یوحنا میں فارقلیط کے متعلق یہ بھی ہے ''وہ میرا جلال ظاہر کرے گا''۔ عیسائیوں نے پولس کے زیر اثر حضرت یسوعؑ کے متعلق جو گم راہ کن نظریات اور باطل عقائد اختیار کئے، فارقلیط (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کی بھرپور تردید فرمائی۔ تثلیث اور کفارے کے عقائد کو باطل قرار دیا۔ عیسائیوں نے یہ ظاہر کر کے حضرت یسوعؑ کی (معاذ اللہ) سخت توہین کی تھی کہ انہیں کوڑے لگوائے گئے تھے، ان کے منہ پر تھوکا گیا تھا، ان کے رخسار پر طمانچے مارے گئے تھے، ان کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھا گیا تھا پھر انہیں مصلوب کیا گیا تھا، انتہائی بے بسی کے عالم میں مصلوبیت کے موقع پر وہ خدا سے یوں شکایت کر رہے تھے، اے میرے خدا، اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ اور یہ کہ آپ مصلوب ہو کر لوگوں کو شریعت سے آزاد کرانے کے لئے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) ملعون ہو گئے تھے اور پھر آپ تین دن کے لئے (معاذ اللہ) جہنم میں بھی رہے تھے وغیرہ من الخرافات۔ فارقلیط (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعے ان تمام جھوٹی باتوں کا پول کھولا گیا اور واضح کیا گیا کہ کوئی بھی حضرت یسوعؑ کو مصلوب کرنے اور ان کی توہین وتذلیل پر ہرگز قادر نہیں ہوا۔ وہ دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کے باوقار اور معزز بندے اور اس کے رسول ہیں، پس فارقلیط سے مراد اصطلاحی روح القدس نہیں بل کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں جنہوں نے فی الواقع حضرت یسوعؑ کی عظمت اور وقار کو پوری طرح بحال کر کے ان کے جلال کو انجیل یوحنا کی پیشین گوئی اور بشارت کے مطابق کما حقہ ظاہر کیا۔ ورنہ عید خمسینہ کے روز جب حواریوں پر مبینہ روح القدس کا نزول ہوا تو اس نے حضرت یسوعؑ کے جلال کو ہرگز اس طرح ظاہر نہیں کیا جس طرح فارقلیط (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) نے ظاہر فرمایا۔ تاسعاً انجیل یوحنا میں فارقلیط کے متعلق یہ بھی ہے ''وہ میری گواہی دے گا'' اس سے بھی معلوم ہوا کہ فارقلیط سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے

حضرت یسوعؑ کے رسول اللہ ہونے کی گواہی دی اور ان کے متعلق یہود و نصاریٰ کے غلط خیالات کا ابطال کیا۔ اس کے برعکس عید خمسینہ (Pentecost) کے روز جس مبینہ روح القدس کا نزول حواریوں پر ہوا تھا اس نے کتاب اعمال کے مضامین کی رو سے حضرت یسوعؑ کے متعلق حواریوں کو کوئی گواہی نہیں دی اور ان حواریوں کو بھلا ایسی کسی گواہی کی ضرورت بھی کیا تھی، وہ تو پہلے ہی سے حضرت یسوعؑ پر صحیح ایمان رکھتے تھے۔ مسیحی عقائد میں بگاڑ تو بعد میں پولس وغیرہ نے پیدا کیا۔ عاشر اناجیل یوحنا کی عبارتوں میں یہ بھی ہے ''مجھے تم سے اور بھی باتیں کہنا ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے'' یہ کلمات بھی واضح کر رہے ہیں کہ فارقلیط سے مراد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے نئی شریعت محمدیہ کی رو سے بہت سی نئی باتیں اور نئے احکام بیان فرمائے ورنہ حواریوں پر نازل ہونے والے اصطلاحی روح القدس نے تو کوئی بھی نئی بات حواریوں کو نہیں بتائی اور شریعت کسی نئی چیز کا اضافہ نہیں کیا۔ ان تمام دلائل سے بہ خوبی واضح ہو گیا کہ اگر انجیل لوقا اور کتاب اعمال کی رو سے واقعی حواریوں پر اصطلاحی روح القدس کا نزول ہوا تھا تو اس کا تعلق ہرگز ہرگز انجیل یوحنا کے فارقلیط والے مضامین سے نہیں ہے۔ فارقلیط کی یہ بشارتیں روح القدس کے مبینہ نزول کی بشارتوں سے بالکل الگ تھلگ ہیں۔

(۴) انجیل یوحنا کی متعلقہ عبارتوں کا ایک حصہ یہ بھی ہے ''روح حق جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی کیوں کہ نہ اسے دیکھتی ہے اور نہ جانتی ہے، تم اسے جانتے ہو''۔ یہ کلمات بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بہ خوبی صادق آتے ہیں۔ بہت سے لوگوں نے آپ کو ظاہری آنکھوں سے تو دیکھا لیکن ان کے دل کی آنکھیں اندھی رہیں۔ قرآن کریم میں ہے تراهم ينظرون اليك وهم لا يبصرون (۸۵/ الف) ''اور (اے پیغمبر) تو انہیں دیکھتا ہے کہ وہ (بہ ظاہر آنکھیں کھولے) تیری طرف دیکھ رہے ہیں حال آں کہ (فی الواقع) وہ نہیں دیکھ رہے ہیں''۔ نیز ارشاد ہے۔ فانها لا تعمى الابصار ولكن تعمى القلوب التى فى الصدور ''(۸۵/ ب) ''بے شک آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں لیکن دل اندھے ہو جایا کرتے ہیں جو سینوں میں ہیں''۔ اور حضرت یسوعؑ کا ارشاد ہے ''میں ان سے تمثیلوں میں اس لئے باتیں کرتا ہوں کہ وہ دیکھتے ہوئے نہیں دیکھتے اور سنتے ہوئے نہیں سنتے اور نہیں سمجھتے''۔ (۸۵/ ج)

(۵) انجیل یوحنا میں فارقلیط والے مضامین میں یہ کلمات بھی ہیں ''وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا''۔ یہ کلمات بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری طرح صادق آتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے کہ یہ (نبی) اپنی خواہش سے نہیں بولتا وہ تو صرف وحی ہے جو اس کے پاس بھیجی جاتی

ہے (۸۶/ الف) مزید ارشاد ہے کہ ''(اے پیغمبر) تو کہہ دے کہ میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جس کی وحی میری طرف کی جاتی ہے۔'' (۸۶/ ب)

(۶) فارقلیط والے انجیل یوحنا کے مضامین میں یہ بھی ہے ''کیوں کہ وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے اور تمہارے اندر ہوگا''۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ فارقلیط اس وقت حواریوں کے پاس موجود تھا ورنہ حضرت یسوعؑ یہ نہ فرماتے ''اگر میں نہ جاؤں تو وہ (فارقلیط) تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر میں جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔'' بعض اوقات مستقبل کی کسی بڑی خبر پر ماضی یا حال کا صیغہ بول دیا جاتا ہے مثلاً حزقی ایل نبی نے یاجوج و ماجوج کے خروج اور اسرائیلی پہاڑوں پر پہنچ کر ان کے ہلاک ہونے کی خبر کو یوں بیان فرمایا ہے ''دیکھو وہ آپہنچا اور وقوع میں آیا خدا فرماتا ہے۔ یہ وہی دن ہے جس کی بابت میں نے فرمایا تھا'' (۸۶/ ج) انجیل یوحنا حضرت یسوعؑ کا قول یوں مذکور ہے ''میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ وقت آتا ہے بل کہ ابھی ہے کہ مردے خدا کے بیٹے کی آواز سنیں گے'' (۸۶/ د) یہاں ''بل کہ ابھی ہے'' کے کلمات پر غور کیا جائے کہ جو واقعہ تا حال پیش نہیں آیا اس پر کس طرح حال کا صیغہ بولا گیا ہے۔ یہاں مُردوں سے مجازی معنی کے طور پر جاہل اور دین سے بے خبر لوگ مراد نہیں لئے جاسکتے، کیوں کہ اسی سیاقِ وسباق میں حضرت یسوعؑ کا یہ قول بھی مذکور ہے، ''اس سے تعجب نہ کرو، کیوں کہ وہ وقت آتا ہے کہ جتنے قبروں میں ہیں اس کی آواز سن کر نکلیں گے''۔ (۸۷/ الف)

(۷) فارقلیط والی عبارتوں میں خطاب اگرچہ حواریوں سے ہے لیکن اس سے مراد بعد کے لوگ خصوصاً عیسائی ہیں جو فارقلیط موعود (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانے میں ہوں گے۔ اناجیل میں اس طرح کے مضامین بہ کثرت موجود ہیں جن میں خطاب حواریوں سے ہے، لیکن خود عیسائی بھائی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ یہاں حواری نہیں بل کہ بعد کے لوگ مراد ہیں مثلاً انجیل متی میں ہے ''میں تم سے کہتا ہوں کہ اس کے بعد تم ابن آدم کو قادر مطلق کی داہنی طرف بیٹھے اور آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے'' (۸۷/ ب) یہاں حضرت یسوعؑ قیامت کے قریب اپنے نزول کی پیشین گوئی فرمارہے ہیں ورنہ کسی نے بھی تا حال حضرت یسوعؑ کو آسمان کے بادلوں پر آتے نہیں دیکھا ہے۔

بائبل اور قرآں پر ان تمام مضامین میں ہم نے ''اظہار الحق'' اور سعودی عرب سے شائع ہونے والے دو انگریزی کتابچوں Islam Christianity اور The True Message of Jesus Christ کے تمام اہم مضامین کو نئی عنوان بندی کے تحت سمو دیا ہے بل کہ لاتعداد نئے نکات اور مباحث بھی

پیش کردیئے ہیں فللہ الحمد فی الاولیٰ والاٰخرۃ

تقابلی توقیتی جدول (تاریخ بنی اسرائیل: یہودیت ونصرانیت)

اس جدول کی تیاری میں گڈ نیوز بائبل کے آخر میں ملحق توقیتی چارٹ کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ جہاں سال تخمیناً بیان کئے گئے ہیں وہاں علامت ''ت'' لگائی گئی ہے۔ اگر کسی عیسوی سال کے مقابل دو ہجری سال برآمد ہوتے ہوں تو صرف اسی ہجری سال کو لیا گیا ہے جس کی مدت کا بڑا حصہ عیسوی سال کے مقابل رہا ہو۔ بادشاہوں کے حکومتی ادوار کی زمنی تعیین میں گڈ نیوز بائبل کا ملحقہ توقیتی چارٹ بسا اوقات بائبل میں مذکور زمنی ادوار سے پوری مطابقت نہیں رکھتا، مثلاً مملکت یہوداہ کے سلاطین امصیاہ، عزیاہ، یوتام، منسی، کی حکومت کا زمانہ بہ مطابق کتاب سلاطین دوم اور تواریخ دوم ۲۹، ۵۲، ۱۶، ۵۵ سال کا ہے (۸۷ ج) توقیتی چارٹ کے مطابق یہ مدت بالترتیب تقریباً ۱۷، ۴۲، ۵، ۴۶ سال بنتی ہے۔ دیگر حکمرانوں کے ادوار حکومت کی مدتوں میں بھی توقیتی چارٹ سے کم وبیش فرق پایا جاتا ہے۔ اگر یہ چارٹ بالکل صحیح ہے تو بائبل کے متعلقہ مضامین کو غلط ماننا ہوگا ورنہ اس چارٹ کو سو فیصد صحیح سمجھنا درست نہیں۔

۱۔ حضرت ابراہیمؑ کی فلسطین میں آمد اور حضرت یعقوب (اسرائیل) کی حضرت اسحاقؑ سے ولادت: ۱۹۰۰۔۱۸۰۰ قبل مسیح (ت) کے درمیان/ ۲۵۹۹ ۔ ۲۴۹۶ قبل ہجرت (ت)

۲۔ بنی اسرائیل کا مصر میں قیام: ۱۷۰۰۔۱۲۵۰ ق م (ت)/ ۲۳۹۳۔۱۹۲۹ ق ھ (ت)

۳۔ حضرت موسیٰ کی سربراہی میں بنی اسرائیل کا مصر سے خروج: ۱۲۵۰ ق م (ت)/ ۱۹۲۹ ق ھ (ت)

۴۔ بنی اسرائیل کا وادی تیہ میں سرگرداں پھرنا اور حضرت موسیٰ پر تورات کا نزول: ۱۲۵۰۔۱۲۱۰ ق م (ت)/ ۱۹۲۹۔۱۸۸۸ ق ھ (ت)

۵۔ حضرت یوشعؑ کی سربراہی میں بنی اسرائیل کے کنعان (فلسطین) پر حملے کا پہلا دور: ۱۲۱۰ ق م (ت)/ ۱۸۸۸ ق ھ (ت)

۶۔ بنی اسرائیل کی قبائلی زندگی میں قضاۃ کا دور: ۱۲۰۰۔۱۰۳۰ ق م (ت)/ ۱۸۷۸۔۱۷۰۲ ق ھ (ت)

۷۔ اسرائیلی بادشاہت اور متحدہ قومی حکومت:

(۱) ساؤل کا دورِ حکومت: ۱۰۳۰۔۱۰۱۰ق م (ت)/۱۷۰۲۔۱۶۸۲ ق ھ (ت)

(۲) حضرت داؤد کا دورِ حکومت: ۱۰۱۰۔۹۷۰ق م (ت)/۱۶۸۲۔۱۶۴۱ق ھ (ت)

(۳) حضرت سلیمان کا دورِ حکومت: ۹۷۰۔۹۳۱ق م (ت)/ ۱۶۵۱۔۱۶۰۱ق ھ (ت)

حضرت سلیمانؑ کے بعد بنی اسرائیل متحد نہ رہ سکے اور ان کی حکومت دو مملکتوں میں بٹ گئی۔ جنوبی ریاست مملکت یہوواہ (یہودیہ) اور شمالی ریاست مملکت اسرائیل کہلائی۔ مملکتِ یہوواہ کا دارالحکومت یروشلم اور مملکت اسرائیل کا دارالحکومت سامرہ تھا۔

۸۔ مملکت اسرائیل (شمالی ریاست) کے حکمران

(۱) یربعام: ۹۳۱۔۹۱۰ق م/ ۱۶۰۰۔۱۵۷۹ق ھ

(۲) ندب: ۹۱۰۔۹۰۹ق م/ ۱۵۷۹۔۱۵۷۸ق ھ

(۳) بعشاہ: ۹۰۹۔۸۸۶ق م/ ۱۵۷۸۔۱۵۵۴ق ھ

(۴) ایلہ: ۸۸۶۔۸۸۵ق م/ ۱۵۵۴۔۱۵۵۳ق ھ

(۵) ضمری: ۸۸۵ق م/ ۱۵۵۳ق ھ (اس نے صرف سات ماہ حکومت کی)

(۶) عمری: ۸۸۵۔۸۷۴ق م/ ۱۵۵۳۔۱۵۴۱ق ھ

(۷) اخی اب: ۸۷۴۔۸۵۳ق م/ ۱۵۴۱۔۱۵۱۹ق ھ

(۸) اخزیاہ: ۸۵۳۔۸۵۲ق م/ ۱۵۱۹۔۱۵۱۸ق ھ

(۹) یورام: ۸۵۲۔۸۴۱ق م/ ۱۵۱۸۔۱۵۰۸ق ھ

(۱۰) یاہو: ۸۴۱۔۸۱۴ق م/ ۱۵۰۸۔۱۴۸۰ق ھ

(۱۱) یہوآخز: ۸۱۴۔۷۹۸ق م/ ۱۴۸۰۔۱۴۶۳ق ھ

(۱۲) یہوآس: ۷۹۸۔۷۸۳ق م/ ۱۴۶۳۔۱۴۴۸ق ھ

(۱۳) یربعام دوم: ۷۸۳۔۷۴۳ق م/ ۱۴۴۸۔۱۴۰۷ق ھ

(۱۴) زکریاہ: ۷۴۳ق م/ ۱۴۰۷ق ھ (دورِ حکومت چھ ماہ)

(۱۵) سلوم: ایضاً (دورِ حکومت ایک ماہ)

(۱۶) مناحم: ۷۴۳۔۷۳۸ق م/ ۱۴۰۷۔۱۴۰۲ق ھ

(۱۷) فقحیاہ: ۷۳۸۔۷۳۷ق م/ ۱۴۰۲۔۱۴۰۱ق ھ

(۱۸) فقح: ۷۳۷۔۷۳۲ق م/ ۱۴۰۱۔۱۳۹۵ق ھ

(۱۹) ہوسیع: ۷۳۲۔۷۲۳ق م/ ۱۳۹۵۔۱۳۸۵ق ھ

۹۔اسوریوں کے ہاتھوں سقوط سامرہ: ۷۲۲ق م/ ۱۳۸۴ق ھ۔

۱۰۔مملکت اسرائیل کے مشہور انبیاء: ایلیاہ (عمری کے درمیانی دور سے اخزیاہ کے آخری دور تک) الیشع (اخزیاہ سے یہوآس تک کے ادوار میں)۔ عاموص (یہوآس کے درمیانی دور سے یربعام دوم کے آخری دور تک)۔ ہوسیع (یربعام دوم کے درمیانی دور سے مناحم کے آخری دور تک)۔

۱۱۔مملکت یہوداہ (جنوبی ریاست) کے حکمران

(۱) رحبعام: ۹۳۱۔۹۱۳ق م/ ۱۶۰۱۔۱۵۸۲ق ھ

(۲) ابیاہ: ۹۱۳۔۹۱۱ق م/ ۱۵۸۲۔۱۵۸۰ق ھ

(۳) آسا: ۹۱۱۔۸۷۰ق م/ ۱۵۷۰۔۱۵۳۸ق ھ

(۴) یہوسفط: ۸۷۰۔۸۴۸ق م/ ۱۵۳۸۔۱۵۱۵ق ھ

(۵) یہورام: ۸۴۸۔۸۴۱ق م/ ۱۵۱۵۔۱۵۰۸ق ھ

(۶) اخزیاہ: ۸۴۱ق م/ ۱۵۰۸ق ھ

(۷) عتلیاہ: ۸۴۱۔۸۳۵ق م/ ۱۵۰۸۔۱۵۰۲ق ھ

(۸) یوآس: ۸۳۵۔۷۹۶ق م/ ۱۵۰۲۔۱۴۶۲ق ھ

(۹) امصیاہ: ۷۹۶۔۷۸۱ق م/ ۱۴۶۲۔۱۴۴۶ق ھ

(۱۰) عزیاہ: ۷۸۱۔۷۴۰ق م/ ۱۴۴۶۔۱۴۰۴ق ھ

(۱۱) یوتام: ۷۴۰۔۷۳۶ق م/ ۱۴۰۴۔۱۴۰۰ق ھ

(۱۲) آخز: ۷۳۶۔۷۱۶ق م/ ۱۴۰۰۔۱۳۷۹ق ھ

(۱۳) حزقیاہ: ۷۱۶۔۶۸۷ق م/ ۱۳۷۹۔۱۳۴۹ق ھ

(۱۴) منسی: ۶۸۷۔۶۴۲ق م/ ۱۳۴۹۔۱۳۰۳ق ھ

(۱۵) آمون: ۶۴۲۔۶۴۰ق م/ ۱۳۰۳۔۱۳۰۱ق ھ

(۱۶) یوسیاہ: ۶۴۰۔۶۰۹ق م/ ۱۳۰۱۔۱۲۶۹ق ھ

(۱۷) یہوآخز: ۶۰۹ق م/ ۱۲۶۹ق ھ (دور حکومت تین ماہ)

(۱۸) یہویقیم: ۶۰۹۔۵۹۸ ق م/ ۱۲۶۹۔۱۲۵۷ ق ھ

(۱۹) یہویاکین (یکونیاہ): ۵۹۸ ق م/ ۱۲۵۷ ق ھ (دور حکومت تین ماہ)

(۲۰) صدقیاہ: ۵۹۸۔۵۸۷ ق م/ ۱۲۵۷۔۱۲۴۶ ق ھ

۱۲۔ بُخت نصر کے ہاتھوں سقوط یروشلم اور یہودیوں کی بابل میں جلاوطنی: ۵۸۷ ق م/ ۱۲۴۶ ق ھ۔

۱۳۔ مملکت یہوواہ کے مشہور انبیاء: حضرت داؤد اور ان کے صاحب زادے حضرت سلیمان علیہما السلام نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی۔ یسعیاہ عزیاہ کے آخری دور سے حزقیاہ کے آخری دور تک۔

میکاہ (یوتام کے آخری دور سے آخز کے دور تک)۔ یرمیاہ (امون کے دور کے وسط سے صدقیاہ کے دور تک)۔ صفنیاہ (یوسیاہ کے دور میں)۔ ناحوم (یہوآخز کے دور میں) حبقوق؟ (غالباً یہویقیم اور یہویاکین کے دور میں)۔ حزقی ایل (سقوط یروشلم اور اس کے بعد کے زمانے میں)۔ حجی اور زکریاہ (۵۳۷ ق م/ ۱۱۹۴ ق ھ کے بعد جب ہیکل سلیمانی کی تعمیر نو شروع ہوئی۔ ان پیغمبروں کی مدد سے حضرت عزرا (عزیر) نے تورات اور ملحقہ کتب کو از سر نو مرتب کیا۔ عبیدیاہ (۵۰۰ ق م/ ۱۱۵۶ ق ھ)۔ ملاکی (یروشلم کی تعمیر نو کے بعد کے زمانے میں۔ یوئیل کا زمانہ بھی غالباً یہی ہے)۔

۱۴۔ سائرس اعظم (خسرو) نے یہودیوں کو یروشلم میں واپس جانے کی اجازت دی ۵۳۸ ق م/ ۱۱۹۵ ق ھ۔

اکثر مسلم محققین کی تحقیق کے مطابق قرآن کریم کی سورۂ کہف میں جس ذوالقرنین بادشاہ کا ذکر ہے اس سے یہی سائرس (خسرو) مراد ہے۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ نے بھی ''قصص القرآن'' میں اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔

۱۵۔ ہیکل سلیمانی کی تعمیر نو کی بنیاد: ۵۳۷ ق م/ ۱۱۹۴ ق ھ۔

۱۶۔ یروشلم اور اس کی دیواروں کی تعمیر نو کی تکمیل: ۴۴۳ ق م/ ۱۰۹۷ ق ھ

۱۷۔ سکندر اعظم یونانی حکمران کا فلسطین پر قبضہ: ۳۳۳ ق م/ ۹۸۴ ق ھ۔

۱۸۔ سکندر اعظم کے فوجی جرنیلوں کی ایک نسل کا مصر پر قبضہ تھا اس نسل کے آخری حکمران ٹالیمی کا یروشلم پر حملہ اور یہودیوں کا قتل عام: ۳۲۳ ق م/ ۹۷۴ ق ھ۔

۱۹۔ یہودی ٹالیموں کے محکوم رہے: ۳۲۳۔۱۹۸ ق م/ ۹۷۴۔۸۴۵ ق ھ۔

۲۰۔ سکندر اعظم کے جرنیلوں کی ایک نسل شام پر قابض تھی۔ اس نسل نے یہودیوں کو محکوم بنالیا:

۱۹۸۔۱۶۶ق م/ ۸۴۵۔۸۱۲ق ھ۔

۲۱۔ یونانیوں کی حکومی کے دور میں ستر یہودی علماء نے تورات اور ملحقہ کتب کا یونانی زبان میں ترجمہ کیا جو سبعینہ کہلاتا ہے: غالباً ۲۸۶ق م/ ۹۳۵ق ھ۔

۲۲۔ یہوواہ مکابی کی زیر قیادت یہودیوں نے یونانیوں سے آزادی حاصل کی: ۱۶۶۔۱۶۳ق م/ ۸۱۲۔۸۰۹ق ھ۔

۲۳۔ رومی جرنیل پومپی کا یروشلم پر قبضہ: ۶۳ق م/ ۷۰۶ ق ھ۔

۲۴۔ رومیوں کی ماتحتی میں کٹھ پتلی یہودی گورنروں کی فلسطین پر حکومت قائم ہوئی جن میں ایک کا نام ہیرود اعظم ہے۔ ہیرود کا دور حکومت: ۳۷۔۴ق م/ ۶۷۹۔۶۴۵ق ھ۔

۲۵۔ حضرت یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) کا دور: ۲۷عیسوی (ت)/ ۶۱۳ق ھ (ت)

۲۶۔ ولادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہ مطابق چارٹ گڈ نیوز بائبل: ۶ق م/ ۶۴۷ق ھ

بہ مطابق مسلم ریاضی دان ابوریحان البیرونیؒ: ۳۰۴ سکندری/ ۹۔۸ق م/ ۶۵۰۔۶۴۹ق ھ

۲۷۔ حضرت عیسیٰ کا عروج آسمانی ۳۰عیسوی: (ت)/ ۶۱۱ق ھ (ت)

بہ قول البیرونی: ۳۳۶ سکندری/ ۲۴۔۲۵عیسوی/ ۶۱۷۔۶۱۶ق ھ۔

۲۸۔ پولس (طرسوس کے ساؤل) کا قبول عیسائیت: ۳۷عیسوی (ت)/ ۶۰۴ق ھ (ت)

۲۹۔ پولس کا دور تبلیغ: ۴۱۔۶۵عیسوی (ت)/ ۵۹۹۔۵۷۵ق ھ (ت)

(ب)

۱۔ رومی جرنیل طاطیس Titus کا یہودی بغاوت کو کچلنے کے لئے یروشلم پر نہایت خوف ناک حملہ اور یہودیوں کا قتل عام: ۷۰عیسوی/ ۵۷۰ق ھ۔

۲۔ رومی حکمراں قیصر ہڈرین کے دور میں یہودی بغاوت کا استیصال، یروشلم کھنڈر بنا دیا گیا، ہیکل سلیمانی کو پیوند خاک کر دیا گیا، شہر کا نام یروشلم کی بہ جائے ایلیاہ رکھا گیا۔ ۱۳۸عیسوی/ ۵۰۰ق ھ

۳۔ ان تباہیوں کے بعد یہودی دنیا بھر میں ادھر ادھر منتشر ہونے پر مجبور ہوئے۔ ان کی حکومت اور مرکزیت ماضی کا قصہ بن گئی۔ سرکشیوں اور غداریوں کی بنا پر یورپ وغیرہ کی عیسائی مملکتوں میں یہودی ہمیشہ زیر عتاب رہے۔ صرف مسلم ممالک میں ان کے ساتھ رواداری برتی گئی مغرب میں علوم کی نشاۃ ثانیہ

تک یہودیوں کا یہی حال رہا۔

۴۔ اسلامی ممالک کے زوال اور ان پر مغرب کے سیاسی ومعاشی دباؤ کے دور میں اسلام کے خلاف عیسائیت کی پرانی عداوت ونفرت نے نیا رخ اختیار کیا اور عیسائیوں میں یہودیت سے ہمدردی کا اثر پھیلنے لگا۔ قدیم یروشلم میں ایک پہاڑی کا نام صیہون (Zion) تھا۔ یہودی روایات کے مطابق حضرت داؤدؑ نے اس پہاڑی پر ایک عبادت گاہ تعمیر کی تھی اس لئے اسے مقدس سمجھا جانے لگا۔ اسی کے نام پر یہودیت کے سیاسی احیا کے لئے یہودیوں نے جو تحریک چلائی اسے تحریک صیہونیت کہا جاتا ہے۔

۵۔ آسٹرو ہنگرین یہودی تھیوڈور ہرٹزل Theodore Hertzel کی فرانس کے ایک رسالے میں آزاد یہودی ریاست کی تجویز: ۱۸۹۵عیسوی/۱۳۱۲ہجری۔

۶۔ سوئٹزرلینڈ کے شہر باسل Basle میں پہلی عالمی یہودی کانگریس: ۱۸۹۷عیسوی/۱۳۱۴ہجری۔

۷۔ باسل کے مقام پر دسویں یہودی کانگریس: ۱۹۱۱عیسوی/۱۳۱۴ہجری۔

۸۔ پہلے پہل عالمی یہودی (صیہونی) تحریک کا مقصد ایک آزاد وطن کا حصول تھا۔ یہودیوں کی آبادکاری کے لئے کوئی ملک مخصوص نہیں تھا۔ ارجنٹائن، یوگنڈا اور کینیا میں یہودیوں کو آباد کرنے کا خیال تھا، لیکن مشرقی ممالک کے یہودیوں کا یہ خیال غالب آگیا کہ فلسطین ان کا قدیم وطن ہے۔ انہیں یہیں آباد ہونا چاہئے۔

۹۔ برطانیہ کی طرف سے یہودی عزائم کی حمایت میں اعلان بالفور جس میں امریکہ کی پوری مرضی اور مشورہ شامل تھا: نومبر ۱۹۱۷عیسوی/ اوئل ۱۳۳۶ہجری۔

۱۰۔ دنیا بھر کے یہودیوں کی فلسطین میں آبادکاری میں تیزی: ۱۹۱۷۔۱۹۴۸ء/ ۱۳۳۵۔۱۳۶۷ھ

۱۱۔ اقوام متحدہ نے تقسیم فلسطین کی قرارداد منظور کی: ۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء/ ۱۵ محرم ۱۳۶۷ھ

۱۲۔ برطانیہ کا فلسطین پر اپنے انتداب کا خاتمہ اور مملکت اسرائیل کا قیام: ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء/ ۴ رجب ۱۳۶۷ھ۔

۱۳۔ ویٹیکن (روم) میں رومن کیتھولک چرچ کی کونسل نے ۱۹۶۴عیسوی/۱۳۸۴ہجری میں پرانے عیسائی عقائد اور اناجیل اربعہ کے مضامین کے عین برعکس ''یہودیوں کے بارے میں اعلان'' کے نام سے یہودیوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کروانے کے قصور سے بری الذمہ قرار دے دیا اور اعلان ہوا کہ ''عیسائیوں کو چاہئے کہ وہ یہودیوں کو مقہور اور لعنت زدہ قوم نہ سمجھیں، عیسائیوں کو ہدایت کی جاتی ہے

کہ وہ یہودیوں سے نفرت نہ کریں اور ان کا استیصال نہ کریں اس اعلان کا مطلب تو (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) یہ ہوا کہ یہودی تو لعنت زدہ نہیں بل کہ بہ قول نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ عیسائیوں کو شریعت کی لعنت سے چھڑانے کے لئے لعنتی ہوئے تھے۔ بہ مطابق قرآن کریم اتخذوا دینھم لھوا و لعبا وغرتھم الحیوٰۃ الدنیا (۸۸/ الف) یعنی انہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشہ بنا کر رکھ دیا اور دنیا کی زندگی نے انہیں (حق و باطل میں تمیز نہ کر پانے اور اخروی عذاب سے بچ نہ سکنے کی وجہ سے) دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔

(ج)

۱۔ عیسائیت کا دور ابتلا جس میں انہیں حضرت عیسیٰ کے عروج آسمانی کے بعد شدت پسند ظالم یہودیوں اور بت پرست رومی حکمرانوں کے عتاب کا نشانہ بننا پڑا: چوتھی صدی عیسوی مطابق چوتھی صدی قبل ہجرت تک کا دور۔ اس دور میں عیسائیوں میں بے شمار فرقے اور سینکڑوں اناجیل نمودار ہوئیں۔

۲۔ شاہ روم قسطنطین کے قبول عیسائیت کے بعد بقیہ میں پہلی کلیسائی مجلس اور پولس کے عقائد کا زبردستی نفاذ: ۳۲۵ عیسوی/ ۳۰۷ ق ھ

۳۔ عیسائیت کا عہد مجالس Age of Councils: چوتھی اور پانچویں صدی عیسوی/ چوتھی اور تیسری صدی قبل ہجرت۔

۴۔ سلطنتِ روما میں عیسائیت کا مکمل نفوذ: ۵۲۹ عیسوی/ ۹۷ قبل ہجرت۔

۵۔ رہبانیت (ترک دنیا) کا بھرپور دور: چوتھی صدی عیسوی سے پانچویں صدی عیسوی تک/ چوتھی صدی قبل ہجرت سے تیسری صدی قبل ہجرت تک۔

۶۔ عیسوی کلیسائی تاریخ میں تاریک دور (Dark Ages): ۵۹۰۔۸۰۰ عیسوی/ ۳۴ قبل ہجرت تا ۱۸۴ ہجری۔

۷۔ دورِ قرونِ وسطیٰ: ۸۰۰۔۱۵۲۱ عیسوی/ ۱۸۴۔۹۱۷ ہجری۔

اس دور میں مشرقی اور مغربی کلیسائیوں میں چپقلش عروج پر پہنچ گئی۔ مشرقی کلیسا کا نام دی ہولی آرتھوڈاکس چرچ The Holy Orthodox church اور مغربی کلیسا کا نام بہ دستور رومن کیتھولک چرچ رہا۔ مشرقی کلیسا کا مرکز قسطنطنیہ اور مغربی کلیسا کا مرکز حسب سابق روم رہا۔ مشرقی کلیسا کے سب سے بڑے پیشوا کو بطریرک اور مغربی کلیسا کے سب سے بڑے پیشوا کو پوپ کہا جاتا تھا۔ کلیسائی تاریخ میں اس دور کو نفاق عظیم Great Schism کا دور کہا جاتا ہے۔ اسی دور میں مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگوں

کا آغاز ہوا۔

۸۔ پوپ اربن روم کا کلیرمونٹ کونسل میں صلیبی جنگوں کے تقدس کا اعلان: ۱۰۹۵عیسوی/ ۵۸۸ ہجری۔

۹۔ سلطنت روما سے پاپائیت کا خاتمہ اور پاپاؤں کا فرانس میں قیام: ۱۳۰۵۔۱۳۷۶ عیسوی/ ۷۰۴۔۷۷۸ ہجری۔

۱۰۔ دو پوپ منتخب ہوتے رہے: ۱۳۷۸۔۱۴۱۳عیسوی/ ۷۷۹۔۸۱۶ ہجری۔

۱۱۔ پاپاؤں کے افتراق اور نفاقِ عظیم کے خاتمے کے لئے پیسا Pisa میں کونسل کا انعقاد، دونوں پاپاؤں کی معزولی اور الیگزینڈر پنجم کا بطور پوپ انتخاب: ۱۴۰۹عیسوی/ ۸۱۲ ہجری۔

۱۲۔ یہ نیا پوپ فوراً مر گیا تو اس کی جگہ (حسنِ انتخاب ملاحظہ کیجئے) ایک بحری ڈاکو جان بست دسوم کو پوپ منتخب کیا گیا لیکن وہ پاپاؤں کے انتشار کو روک نہ سکا اور اب دو کی بجائے تین پوپ ہو گئے۔

۱۳۔ پاپائیت کے خلاف تحریک چلانے والے اہم افراد:

(۱) جان وائی کلف Why cliff متوفی ۱۳۸۴عیسوی/ ۷۸۶ ہجری۔

(۲) جان ہس Huss متوفی ۱۴۱۵عیسوی/ ۸۱۸ ہجری۔

کانشنس کے مقام پر کیسائی کانفرنس ۱۴۱۴عیسوی/ ۸۱۷ ہجری میں منعقد ہوئی جس میں نفاقِ عظیم کا تو خاتمہ ہو گیا۔ البتہ جان ہس کو ۱۴۱۵ء/ ۸۱۸ھ میں زندہ جلا دیا گیا۔

(۳) فرقہ پروٹسٹنٹ کے بانی مارٹن لوتھر کی پیدائش: ۱۴۸۳ء/ ۸۸۸ھ۔

لوتھر کا پوپ کے خلاف اعلان بغاوت: ۳۱ اکتوبر ۱۵۱۷عیسوی/ ۵ شوال ۹۲۳ ہجری، پوپ نے لوتھر کو عیسائیت سے خارج کر دیا: ۱۵۲۰عیسوی/ ۹۲۶ ہجری۔

لوتھر کی وفات: ۱۵۴۶عیسوی/ ۹۵۳ ہجری۔

(۴) جان کالون (کی تحریک جینوا میں جاری رہی) متوفی ۱۵۶۴عیسوی/ ۹۷۱ ہجری۔

بالآخر پاپائیت کے خلاف تحریک کے نتیجے میں پروٹسٹنٹ چرچ مضبوطی سے قائم ہو گیا اور رومن کیتھولک چرچ سے اس کا تصادم ہوتا رہا۔

۱۴۔ عقلیت کے دور اور دہریت کا آغاز: سترہویں صدی عیسوی/ گیارہویں صدی ہجری

۱۵۔ عقلیت کی تحریک کے اہم رہنما:

(۱) ولیم شلنگ ورتھ متوفی ۱۶۴۴ء/ ۱۰۵۴ھ

(۲) لارڈ ہربرٹ متوفی ۱۶۴۸ء/ ۱۰۵۸ھ

(۳) تھامس ہوبس متوفی ۱۶۷۱ء/ ۱۰۸۲ھ۔

(۴) وولٹائر متوفی ۱۷۸۸ء/ ۱۱۰۵ھ (اس نے خدا کے وجود میں شک کا اظہار کیا بعد ازاں عقلیت کی اس تحریک کے زیر اثر خدا کے وجود سے صاف انکار کر دیا گیا)۔

(۵) برٹرینڈ رسل: بیسوی صدی عیسوی عیسوی/ چودھویں صدی ہجری کا یہ مشہور برطانوی فلسفی تحریک عقلیت کے طبقے کا آخری نمائندہ سمجھا جاتا ہے۔

۱۶۔ عقلیت کی تحریک کے ردعمل میں تجدد Modenism اور احیائے کلیسا Catholic Revival کا آغاز ہوا۔ جس کے رہنماؤں میں مشہور فلسفی روسو وغیرہ شامل ہیں۔ ان مصلحین کی نظر میں بائبل کی تشریح غلط کی جاتی رہی ہے۔

پروفیسر ہارنیک وغیرہ نے الوہیت مسیح کا شدت سے انکار کیا تاہم پرانے جھوٹے اور خود ساختہ عقائد اب بھی پروٹسنٹ اور رومن کیتھولک چرچ (عیسائیوں کے دو بڑے فرقوں) کی مشترکہ میراث ہیں۔ چھوٹے چھوٹے دیگر فرقے کسی شمار میں نہیں لائے جاتے۔

ایجاز القرآن

اخبار القرآن عن المغیبات (حال، مستقبل اور امم سابقہ خصوصاً یہود و نصاریٰ کے متعلق غیبی خبریں دینے) کے اعتبار سے قرآن کریم کے معجزہ ہونے کو تفصیل سے واضح کیا جا چکا ہے۔ قرآن کریم لفظی محاسن کے ساتھ اپنی معنوی خوبیوں کی بنا پر بھی معجزہ ہے۔ قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت مسلم ہے لیکن فصاحت و بلاغت کو سمجھنے کے لئے جو اصول و فروع اہل علم نے وضع کئے ہیں ان سے باخبر رہنے کے ساتھ ساتھ عربی زبان سے بھی کما حقہ باخبر اور متعارف ہونے کی ضرورت ہے۔ اس کے باوجود کلام کی فصاحت و بلاغت کو صحیح معنوں میں سمجھ پانا ایک ذوقی امر ہے، ہر شخص اس کا اہل نہیں ہوا کرتا۔ ہم یہاں وہ وجوہ اعجاز بیان کر رہے ہیں جنہیں سمجھنا ہر کسی کے بس میں ہو اور قرآن کریم کے کلام اللہ ہونے میں کسی غبی سے غبی شخص کو بھی شک نہ رہے، بہ شرطے کہ حق کی تحقیق مقصود ہو، اور تعصب و تنگ نظری، اندھی تقلید اور گروہی وابستگی سدّ راہ نہ بنے۔ قرآن کریم کی وجوہ اعجاز کا علم نہایت تفصیل چاہتا ہے اور اس پر الحمدللہ عظیم کتب موجود ہیں، مگر ہمارا مقصد یہ ہے کہ عام قارئین نہایت آسانی سے قرآن کے معجزہ ہونے کو سمجھ پائیں اس لئے

فصاحت وبلاغت کی فنی مشکلات میں پڑنے کی بہ جائے ہم یہاں قرآن کریم کے معنوی محاسن کو زیر بحث لا رہے ہیں۔ کلام کی خوبیوں میں ایک بڑی خوبی ایجاز ہے۔ ایجاز سے مراد یہ ہے کہ چند کلمات میں بہت سی مفید باتوں کی طرف رہنمائی کر دی جائے۔ قرآن کریم کا ایجاز حیرت انگیز ہے۔ جسے ہم چند مثالوں سے واضح کرتے ہیں۔

(الف) ہم سب سے پہلے قرآن کریم کی سورہ الفاتحہ کو لیتے ہیں جو موجودہ ترتیب توقیفی کے مطابق قرآن کریم کی سب سے پہلی سورت ہے۔ یہ سورت ام القرآن کہلاتی ہے، کیوں کہ یہ بقیہ پورے قرآن کریم کا بہترین خلاصہ اور دیباچہ ہے اور اس مختصر سورت میں علوم ومعارف کا ایک سمندر پنہاں ہے، مثلاً کسی شخص کی اطاعت واتباع لوگ خوش دلی اور خندہ پیشانی سے کریں گے یا ناگواری اور مجبوری سے وہ اطاعت واتباع پر آمادہ ہوں گے۔ دلی رضامندی سے اطاعت واتباع کا ایک سبب یہ ہوا کرتا ہے کہ مطاع ومتبوع (جس کی اطاعت واتباع کی جارہی ہو) اپنے اندر ایسا کمال اور خوبی رکھتا ہو کہ اطاعت واتباع کرنے والا یہ محسوس کرے کہ چوں کہ مجھے یہ کمال حاصل نہیں ہے اس لئے مجھے اس کی اطاعت اور اتباع کرنی پڑے گی۔ اسی لئے مثلاً شاگرد اپنے استاد کی اور مریض اپنے طبیب کی اطاعت کرتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مطاع ومتبوع گو صاحب کمال نہ ہو، لیکن مطیع وتابع غلطی سے اسے صاحب کمال سمجھ کر اس کی اطاعت برضا ورغبت کرتا ہے۔ دوسرا سبب یہ ہوا کرتا ہے کہ مطاع ومتبوع مطیع اور تابع کی نظر میں اس کا مخلص محسن ہو۔ اسی لئے مثلاً بچے والدین کی اور شاگرد استاد کی اطاعت واتباع کرتے ہیں کہ وہ اپنے والدین اور اساتذہ کو اپنا مہربان اور محسن خیال کرتے ہیں، کسی کے اندر ان دونوں اسباب کی موجودگی اس کے مطیع اور تابع کے دل میں ایسی محبت اور وابستگی پیدا کر دیتی ہے کہ وہ بہ خوشی اس کی اطاعت واتباع پر کمربستہ ہو جاتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو شخص کسی کے ناجائز مفادات کا پاسبان اور اس کی غلط خواہشات کی تکمیل میں معاون بن سکتا ہو تو وہ انجام سے بے خبر یا لاپرواہ ہو کر ایسے شخص کی اطاعت واتباع پر بہ خوشی تیار ہو جاتا ہے۔ اسی لئے لوگ دنیوی مفادات سمیٹنے اور لذتوں کے حصول کے لئے شیاطین کی بہ خوشی پیروی کرتے ہیں۔ کیوں کہ وہ اپنی دانست میں ان شیاطین کو ایسا باکمال سمجھتے ہیں جو ان کے ناجائز مفادات کو پورا کرنے کی صلاحیت اور قدرت رکھتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو کسی کے کمال اور احسان کو خوب پہنچانتے بھی ہیں اور اس کی اطاعت واتباع کو اپنے لئے مفید بل کہ ناگزیر بھی سمجھتے ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ اپنے محسن کی مرضی پر چلنے اور اس کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن ہونے میں غفلت، سستی، آرام طلبی اور سہل پسندی اختیار کرتے ہیں اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو کسی کے

کمال اور احسان کو پہچاننے کی کوشش ہی نہیں کرتے، پہچان بھی لیں تو بھی نہایت ناشکری، کھلی بغاوت اور احسان فراموشی پر اتر آتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اگر متنبہ کر دیا جائے کہ ان کا حقیقی محسن صاحبِ کمال اور صاحبِ احسان ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ قوت واقتدار بھی ہے۔ وہ نافرمانوں، سرکشوں اور باغیوں کا پورا پورا محاسبہ کرنے اور انہیں کیفر کردار تک پہنچانے کی نہ صرف قدرت رکھتا ہے، بل کہ وہ ایک نہ ایک دن ایسا کر کے رہے گا تو بدنصیبوں کو چھوڑ کر بہت سے خوش قسمت لوگوں کی اصلاح بھی ہو جاتی ہے گو وہ مجبوری اور ناگواری سے ہی اطاعت واتباع کی راہ اپنانے پر آمادہ ہوئے ہوں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ تابع اور مطیع کو کسی کی اطاعت واتباع پر آمادہ کرنے والے تین بنیادی محرکات ہیں کہ مطاع ومتبوع صاحبِ کمال ہو کہ کسی کو نفع پہنچانے کی پوری قوت اور صلاحیت رکھتا ہو، صاحبِ احسان ہو یعنی ایسا محسن ہو جو کسی طمع اور لالچ کے بغیر احسان کرے اور صاحبِ قوت واقتدار ہو کہ فرماں برداروں کو نوازنے اور سرکشوں کا مواخذہ ومحاسبہ کرنے پر قادر ہو۔ اب دیکھئے سورۂ فاتحہ کی ابتدائی آیات کا مفہوم یہ ہے کہ تمام کمالات اور تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، بے حد رحم کرنے والا اور نہایت ہی مہربان ہے، انصاف کے دن کا مالک ہے یعنی اللہ تعالیٰ مذکورہ تینوں اوصاف (کمال، احسان اور قوت واقتدار) کا حقیقی مالک ہے، لہٰذا وہ سب سے زیادہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی اطاعت واتباع کی جائے۔ لیکن ٹھہریے! اطاعت واتباع تو ہم مخلوق کی بھی کرتے ہیں گو اس کا درست ہونا بعض شرائط کے ساتھ مشروط ہو مثلاً امتی اپنے رسول کی، بچہ اپنے والدین کی، شاگرد اپنے استاد کی، رعایا اپنے حکمران کی اطاعت کرتی ہے ادھر اللہ تعالیٰ حقیقی صاحبِ کمال ہے اور اس کے تمام کمالات ذاتی ہیں، عطائی نہیں کہ کسی نے اسے دے رکھے ہوں پھر یہ کمالات غیر فانی اور ابدی ہیں جو ہمیشہ سے ہمیشہ کے لئے اسے حاصل ہیں۔ وہی حقیقی محسن ہے، دوسرے تمام محسن اسی حقیقی محسن کے پیدا کئے ہوئے اسباب وذرائع ہیں۔ حقیقی مقتدر اعلیٰ بھی وہی ہے۔ دوسروں کو کچھ اختیار واقتدار حاصل بھی ہو تو عارضی اور مجازی ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ اطاعت واتباع سے بھی کہیں زیادہ ہم پر ایسا حق رکھتا ہے جس میں وہ ہرگز کسی اور کو شریک کرنے پر راضی نہیں۔ چناں چہ اس کا ہم پر یہ حق ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ہم صرف اور صرف اسی کی عبادت کریں یعنی اسے نفع ونقصان میں مختار کل سمجھتے ہوئے اپنی انتہائی بے بسی، ذلت اور عاجزی کا اس سے اظہار کریں اور اس کا زبان سے یوں اقرار بھی کریں ایاک نعبد وایاک نستعین (اے اللہ!) ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور (تمام غیر اختیاری امور میں) صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ یوں لآ الٰہ الا اللہ (کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں)۔ کو نہایت ہی ایجاز واختصار سے دلائل کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے اور لطف یہ ہے کہ تمام متعلقہ

شبہات کا رد اور جواب طلب امور کا جواب بھی ان ہی آیات میں سمو دیا گیا ہے۔ مثلاً کسی کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی عبادت کے لائق ہے لیکن ممکن ہے اس کائنات میں (معاذ اللہ) متعدد اللہ ہوں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید ذات پر کہ اس کی ذات میں اور کوئی اس کا شریک نہیں، جو دلائل بھی قائم کئے جائیں گے وہ بالآخر الحمدللہ رب العالمین پر ہی ختم ہوں گے۔ ہم بہ طور مثال متعدد دلائل کو لیتے ہیں۔

۱۔ دلیلِ کبریائی: اگر خدا ایک سے زائد ہیں تو لازماً یہ سوال پیدا ہوگا کہ وہ طاقت وقوت، اقتدار تصرف اور تدبیر وانتظام کے لحاظ سے چھوٹے بڑے ہیں یا سب کا درجہ برابر ہے؟ اگر وہ چھوٹے بڑے ہیں تو خالق کائنات کے لئے چھوٹا ہونا عیب ہے، کمال نہیں اور عقل سلیم کا کسی دلیل کا تقاضا کئے بغیر بدیہی فیصلہ یہ ہے کہ خدا کو ہر عیب سے پاک ہونا چاہئے اور ہر کمال کا اسے مالک ہونا چاہئے۔ اگر ایک سے زائد یہ مفروضہ خدا درجے میں برابر ہیں تو برابری بھی عیب ہے، کیوں کہ اس صورت میں ایک خدا دوسرے کو مغلوب نہیں کر سکتا۔ دوسرے کو مغلوب نہ کر سکنا عاجزی اور بے بسی ہے، کمال نہیں۔ بالفرض ان مفروضہ خداؤں میں باہم تصادم نہ بھی ہو تو بھی یہی سمجھا جائے گا کہ انہوں نے ایک دوسرے کو مجبوراً برداشت کر کے ایک دوسرے پر غالب نہ آسکنے کی اپنی کم زوری کو چھپالیا ہے۔ عیب چھپالیا جائے یا چھپا رہے تو بھی بہ رحال عیب ہی رہے گا، کمال میں نہیں بدل جائے گا۔ پس خدا ایک ہے جس کی شان یہ ہے الحمدللہ رب العالمین کہ اللہ ہی تمام کمالات اور تعریفوں کا مالک ہے، جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

۲۔ دلیل حفظِ اسرار: حفظِ اسرار سے مراد رازوں اور بھیدوں کی حفاظت ہے کہ دوسرے ان پر مطلع نہ ہوں۔ اگر خدا ایک سے زائد ہیں تو وہ اپنے اسرار اور بھیدوں کو ایک دوسرے سے مخفی رکھ سکتے ہوں گے یا نہیں۔ اگر مخفی رکھ سکتے ہیں تو جن مفروضہ خداؤں سے یہ اسرار مخفی رہے وہ جاہل ہوئے۔ جہل اور لاعلمی خدا کے لئے عیب ہے لہٰذا یہ خدائی سے نکل گئے اور اگر مخفی نہیں رکھ سکتے تو مخفی نہ رکھ سکنے والے مفروضہ خدا عاجز و بے بس ہوئے۔ عاجزی اور بے بسی بھی خدا کے لئے عیب ہے۔ پس خدا ایک ہی جو تمام کمالات کا مالک ہے اور جس کی شان یہ ہے ولا یحیطون بشئی من علمه الا بما شاء (۸۸: ب) ''اور وہ (لوگ) اس کے علم میں سے کسی چیز کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر یہ کہ وہ جو (خود بتانا) چاہے''۔

۳۔ دلیل تدبیر وانتظام: اگر خدا ایک سے زائد ہیں تو کائنات کا نظم ونسق چلانے اور سنبھالنے میں ایک دوسرے کے محتاج ہوں گے یا نہیں۔ اگر محتاج ہیں تو ان میں سے کوئی بھی خدا نہیں ہو سکتا، کیوں کہ محتاج ہونا خالق کے لئے عیب ہے۔ اگر وہ ایک دوسرے کے محتاج نہیں بل کہ سب اپنی اپنی جگہ پر مختار

ہیں تو ایک کے سوا باقی خداؤں کا وجود سرے سے فالتو اور غیر ضروری ہوگا، جس کی مخلوق کو ضرورت نہ ہو وہ خدا نہیں ہوسکتا۔ خدا بے نیاز اور باقی سب اس کے محتاج ہیں عقل سلیم کے اس فطری فیصلے کے عین مطابق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یایھا الناس انتم الفقرآء الی اللہ واللہ ھو الغنی الحمید○ (۸۸/ج) ''اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ ہی بے پرواہ (اور) تعریف کے لائق ہے۔'' نیز مختارِ کل عقلاً ایک ہی ہوسکتا ہے۔ اگر مفروضہ متعدد خدا اپنی اپنی جگہ پر مختارِ کل ہیں تو اگر وہ ایک دوسرے کے برابر ہیں، تو برابری عیب ہے، مختارِ کل اگر عیب کا ازالہ نہ کرسکے تو وہ عاجز ہوا۔ عاجزی اور اختیارِ کلی ایک دوسرے کے منافی ہیں اگر یہ مفروضہ مختارانِ کل (خدا) بڑے چھوٹے ہیں تو چھوٹا ہونا بھی عیب ہے، جو مختارِ کل ہوگا وہ ابتدا ہی سے عیب کو اپنے سے دور رکھے گا ورنہ وہ عاجز و بے بس سمجھا جائے گا، عاجزی و بے بسی خدا کے لئے عیب ہے، کمال نہیں حال آں کہ الحمد للہ رب العالمین، اللہ تمام کمالات کا مالک ہے، جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

۴۔ **دلیل وصفِ امتیازی:** اگر خدا ایک سے زائد ہیں، مثلاً الف، ب اور ج تین خدا ہیں تو ان سب میں کم از کم ایک امتیازی وصف ایسا ضرور ہوگا جس سے وہ ایک دوسرے سے ممتاز ہوسکیں اور مخلوق کے لئے ان کی شناخت ممکن ہو۔ اب اگر یہ امتیازی وصف کمال والا ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ ان تینوں میں کم از کم ایک وصفِ کمال کی کمی ہے حال آں کہ خدا کو تو تمام کمالات کا مالک ہونا چاہئے اور اگر یہ امتیازی وصف نقص والا ہے، مثلاً ایک نابینا، دوسرا بہرہ، اور تیسرا گونگا ہے تو اس صورت میں بھی تینوں میں سے کوئی بھی خدا نہیں ہوسکتا، کیوں کہ خدا کو ہر نقص سے پاک ہونا چاہئے، پس خدا ایک ہی ہے جو تمام کمالات کا مالک ہے الحمد للہ رب العالمین، تمام کمالات اللہ ہی کے لئے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

۵۔ **برہانِ تمانع:** اگر خدا ایک سے زائد ہیں تو وہ ایک دوسرے کے کام میں مداخلت کرسکتے ہوں گے یا نہیں۔ اگر ایک خدا دوسرے (مفروضہ) خدا کے کام میں مداخلت کرے اور دوسرا اسے روک نہ سکے تو دوسرا خدا عاجز ہوا۔ اگر پہلا (مفروضہ) خدا دوسرے کے کام میں دخل دینے کی سکت ہی نہ رکھتا ہو تو پہلا خدا عاجز ہوا، حال آں کہ خدا کو ہر عیب سے پاک ہونا چاہئے۔ قبل ازیں دلیل کبریائی میں یہ مذکور ہو چکا ہے کہ اگر برابر مدارج اور مراتب کے مفروضہ خداؤں میں تصادم نہ بھی ہو تو بھی برابر درجے والے یہ خدا در اصل خدا ہیں ہی نہیں۔ لیکن یہ تصادم اور ٹکراؤ ناگزیر ہے کیوں کہ خدا کو تمام صفات و کمالات کا مالک ہونے کی حیثیت سے تکبّر (برائی) (جتانے) کا حق بھی ہوگا چناں چہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں ''متکبّر'' بھی شامل ہے۔ ایک سے زائد ایک ہی مرتبے کے متعدد متکبر موجود ہوں تو ان میں تصادم کا نہ ہونا

ہیں تو ایک کے سوا باقی خداؤں کا وجود سرے سے فالتو اور غیر ضروری ہوگا، جس کی مخلوق کو ضرورت نہ ہو وہ خدا نہیں ہوسکتا۔ خدا بے نیاز اور باقی سب اس کے محتاج ہیں عقل سلیم کے اس فطری فیصلے کے عین مطابق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یایھا الناس انتم الفقرآء الی اللہ واللہ ھو الغنی الحمید O (۸۸/ ج) ''اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ ہی بے پرواہ (اور) تعریف کے لائق ہے۔'' نیز مختارِ کل عقلاً ایک ہی ہوسکتا ہے۔ اگر مفروضہ متعدد خدا اپنی اپنی جگہ پر مختارِ کل ہیں تو اگر وہ ایک دوسرے کے برابر ہیں، تو برابری عیب ہے، مختارِ کل اگر عیب کا ازالہ نہ کرسکے تو وہ عاجز ہوا۔ عاجزی اور اختیارِ کلی ایک دوسرے کے منافی ہیں اگر یہ مفروضہ مختارانِ کل (خدا) بڑے چھوٹے ہیں تو چھوٹا ہونا بھی عیب ہے، جو مختارِ کل ہوگا وہ ابتدا ہی سے عیب کو اپنے سے دور رکھے گا ورنہ وہ عاجز و بے بس سمجھا جائے گا، عاجزی و بے بسی خدا کے لئے عیب ہے، کمال نہیں حال آں کہ الحمد للہ رب العالمین، اللہ تمام کمالات کا مالک ہے۔ جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

۴۔ **دلیل وصفِ امتیازی:** اگر خدا ایک سے زائد ہیں، مثلاً الف، ب اور ج تین خدا ہیں تو ان سب میں کم از کم ایک امتیازی وصف ایسا ضرور ہوگا جس سے وہ ایک دوسرے سے ممتاز ہوسکیں اور مخلوق کے لئے ان کی شناخت ممکن ہو۔ اب اگر یہ امتیازی وصف کمال والا ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ ان تینوں میں کم از کم ایک وصفِ کمال کی کمی ہے حال آں کہ خدا کو تو تمام کمالات کا مالک ہونا چاہئے اور اگر یہ امتیازی وصف نقص والا ہے، مثلاً ایک نابینا، دوسرا بہرہ، اور تیسرا گونگا ہے تو اس صورت میں بھی تینوں میں سے کوئی بھی خدا نہیں ہوسکتا، کیوں کہ خدا کو ہر نقص سے پاک ہونا چاہئے، پس خدا ایک ہی ہے جو تمام کمالات کا مالک ہے الحمد للہ رب العالمین، تمام کمالات اللہ ہی کے لئے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

۵۔ **بُرہانِ تمانع:** اگر خدا ایک سے زائد ہیں تو وہ ایک دوسرے کے کام میں مداخلت کرسکتے ہوں گے یا نہیں۔ اگر ایک خدا دوسرے (مفروضہ) خدا کے کام میں مداخلت کرے اور دوسرا اسے روک نہ سکے تو دوسرا خدا عاجز ہوا۔ اگر پہلا (مفروضہ) خدا دوسرے کے کام میں دخل دینے کی سکت ہی نہ رکھتا ہو تو پہلا خدا عاجز ہوا، حال آں کہ خدا کو ہر عیب سے پاک ہونا چاہئے۔ قبل ازیں دلیل کبریائی میں یہ مذکور ہو چکا ہے کہ اگر برابر مدارج اور مراتب کے مفروضہ خداؤں میں تصادم نہ بھی ہو تو بھی برابر درجے والے یہ خدا دراصل خدا ہیں ہی نہیں۔ لیکن یہ تصادم اور ٹکراؤ ناگزیر ہے کیوں کہ خدا کو تمام صفات و کمالات کا مالک ہونے کی حیثیت سے متکبر (بڑائی) (جتانے) کا حق بھی ہوگا چناں چہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں ''متکبر'' بھی شامل ہے۔ ایک سے زائد ایک ہی مرتبے کے متعدد متکبر موجود ہوں تو ان میں تصادم کا نہ ہونا

عقلاً محال ہے، چناں چہ اس تصادم کے نتیجے میں کائنات سرے سے وجود پذیر ہی نہ ہوگی، مثلاً ایک خدا زید کو پیدا کرنا چاہے اور دوسرا پیدا نہ کرنا چاہے تو برابر کے ان خداؤں کے ارادے تو جمع ہو سکتے ہیں لیکن ان کی مرادیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ اگر دونوں زید کو زندہ کرنا یا دونوں مارنا چاہیں اور دونوں اس کے لئے ایک دوسرے کی مدد کے محتاج ہوں تو ان میں سے کوئی بھی خدا نہ ہوگا اور اگر محتاج نہ ہوں تو ان میں سے ایک کی ضرورت ہی نہیں جو غیر ضروری ہوگا اسے مخلوق کی اور مخلوق کو اس کی ضرورت نہ ہوگی حال آں کہ خدا تو وہ ہو سکتا ہے کہ سب مخلوق اس کی محتاج ہو اور وہ کسی کا محتاج نہ ہو پس خدا ایک ہی جس کی شان یہ ہے الحمدللہ رب العالمین، کہ تمام کمالات اللہ ہی کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

۶۔ آفاقی دلیل: چونکہ مشاہداتی دلائل کا سمجھنا لوگوں کے لئے زیادہ آسان ہوتا ہے اس لئے کلمات ''رب العالمین'' میں ان کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے۔ رب کا معنی ہے ہر چیز کو بتدریج نشوونما دے کر اسے درجۂ کمال تک پہنچانے والا۔ کائنات اس قدر وسیع و عریض ہے کہ ان کے تصور ہی سے سر چکرانے لگتا ہے۔ روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے۔ اس حساب سے ایک منٹ، پھر ایک گھنٹے، پھر ایک دن اور بعد ازاں ایک سال کی مدت میں روشنی کی رفتار کا اندازہ لگانا کس قدر تعجب خیز ہے! اس کائنات کی وسعت کی پیمائش نوری سالوں میں بھی آسان نہیں۔ سورج اور اس کے گرد گھومنے والے سیارے ایک نظام شمسی کو تشکیل دیتے ہیں۔ کئی نظام ہائے شمسی ملیں تو ایک کہکشاں (Galaxy) بنتی ہے۔ کئی کہکشاؤں سے جھرمٹ وجود پذیر ہوتا ہے یہ کائنات بے شمار جھرمٹوں کا مجموعہ ہے۔ ہمارا نظام شمسی جس جھرمٹ سے وابستہ ہے وہ بہت چھوٹا ہے اور اس میں کل چودہ کہکشائیں ہیں۔ کائنات کی اس وسعت کو سورہ فاتحہ میں دو لفظوں ''رب العالمین'' میں سمیٹ دیا گیا ہے کہ تم اس کائنات کو ایک جہاں نہ سمجھو بل کہ یہ تو کئی جہانوں کا مجموعہ ہے۔ جمع میں افراد کا محدود و متعین ہونا ضروری نہیں لہٰذا کائنات کے خارجی مظاہر کا پورا احاطہ عقل کے بس میں نہیں، اور نہیں تو صرف زمین ہی کو لیجئے اس میں موجود موالید ثلثہ (حیوانات، نباتات اور جمادات) اور زمین کے اندر چھپی اشیا کا احاطہ کر لینا اور انہیں ہر حیثیت سے پوری طرح سمجھ پانا ہمارے بس میں نہیں۔ جب مخلوقات کا یہ حال ہے تو خالق کی عظمت کا کیا کہنا! سارے جہانوں کو بہ تدریج نشوونما دینا اور ان کی تمام ضروریات کو پورا کرنا اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ہے۔ انسانی مشاہدہ اور تجربہ بتا رہا ہے کہ اس ربوبیت میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں وہی رب العالمین ہے۔ اللہ کی پیدا کی ہوئی اس کائنات اور اس میں موجود جان دار اور بے جان اشیا پر اللہ تعالیٰ کا جو نظام ربوبیت جاری ہے اس کا احاطہ کرنا تو دور کی بات ہے، انسان صرف ایک لقمے پر ہی غور کرے جو وہ اپنے منہ میں ڈالتا ہے

تو اس کے پیچھے لاتعداد اسباب ومُسبّبات کا سلسلہ کارفرما نظر آئے گا۔ اس وسیع اور محیر العقول نظام ربوبیت کو دولفظوں ''رب العالمین'' میں سمیٹ کر واضح کر دیا گیا کہ جب اللہ تعالیٰ ہی رب العالمین ہے تو اس کی ذات وصفات میں شرک کی کوئی گنجائش نہیں۔ سورہ فاتحہ کے بعد باقی سارا قرآن ان ہی سورت کی توضیح وتشریح ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نظام ربوبیت پر دلالت کرنے والے آفاقی مظاہر فطرت کی طرف قرآن کریم میں بارہا توجہ دلائی گئی ہے، مثلاً سورہ بقرہ میں ہے کہ بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے آنے جانے میں اور کشتیوں کے لوگوں کو نفع دینے والی چیزوں (سامان تجارت وغیرہ) کو لئے ہوئے سمندروں میں چلنے میں اور جو اللہ نے آسمان سے (بارش کا) پانی اتارا ہے اس کے ذریعے مردہ (بنجر) زمین کو زندہ (تروتازہ اور شاداب) کر دینے میں اور آسمان اور زمین کے درمیان مسخر بادل میں عقل مندوں کے لئے (اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور وحدانیت کی) نشانیاں موجود ہیں۔ (۸۹/ الف) ان مظاہر فطرت پر غور کیجئے کہ اگر خدا ایک سے زائد ہیں اور یہ فرض کر لیا جائے کہ کائنات کی تخلیق کے موقع پر ان میں کوئی تصادم نہیں ہوا تھا تو یقیناً ہر ایک کی مخلوق الگ الگ ہوگی اور خداؤں کہ متکبر بھی ہیں لہٰذا زود یا بدیر ان میں تصادم ناگزیر ہے، چناں چہ اس کو (مثلاً) سورۂ مومنون میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ نے اپنے لئے کوئی اولاد اختیار نہیں کی اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے ورنہ ہر معبود (خدا) اپنی اپنی مخلوق کو الگ الگ لئے پھرتا اور ہر ایک دوسرے پر چڑھائی کر دیتا۔ یہ (مشرکین اللہ کے متعلق) جو کچھ بتاتے ہیں وہ اس سے پاک ہے (۸۹/ ب) اور مثلاً سورۂ انبیاء میں ہے کہ اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا اور معبود بھی ہوتے تو یہ دونوں (آسمان وزمین) درہم برہم ہو جاتے پس اللہ عرش کا رب ہر اس چیز (عیب اور نقص) سے پاک ہے جو یہ (مشرکین اس کے متعلق) بیان کر رہے ہیں۔ (اس کی خودمختاری کا تو یہ حال ہے کہ) وہ اپنے کاموں کے لئے (کسی کے آگے) جواب دہ نہیں ہے اور وہ (سب کے سب اس کے آگے) جواب دہ ہیں۔ (۸۹/ ج) اب دیکھئے کائنات ایک خارجی حقیقت کے طور پر موجود ہے۔ یہ خارجی کائنات ایک ہی ہے اور اس کے تکوینی قوانین باہم مربوط ہیں۔ کائنات اضداد کے باوجود رواں دواں ہے اور اس کے انتظام میں کوئی خلل نہیں، مثلاً اجرام فلکی ایک دوسرے کو کھینچتے ہیں لیکن اس کشش میں ایسا توازن ہے کہ وہ ایک دوسرے کو دھکیلتے بھی ہیں یعنی ان میں قوت جذب بھی ہے اور قوت طرد بھی ہے۔ ان دونوں متضاد قوتوں میں ایسا توازن ہے کہ یہ نہ تو آپس میں ٹکراتے ہیں اور نہ ہی ایک دوسرے سے دور جا نکلتے ہیں۔ اس وسیع کائنات میں حسن ہے۔ قوانین فطرت لگے بندھے ہیں جس کی وجہ سے کائنات میں نظم وترتیب ہے۔ اگر برابر کے اختیارات والے کئی منتظم ہوں تو لازماً بدنظمی اور بدترتیبی پیدا

ہوگی اس لئے اگر خدا ایک سے زائد ہوتے اور بالفرض تخلیق کائنات کے موقع پر ان میں اختلاف نہ بھی پیدا ہوا ہوتا تو بھی بعد کے مراحل میں کائنات کا حسن اور باہم مربوط ہونا تو ایک طرف رہا یہ تباہ اور خستہ حال ہوتی۔ قوانین فطرت میں نہ باہم موافقت ہوتی اور نہ ہی یہ قوانین ایک ہی بالائی قوت کے سامنے مسخر نظر آتے۔ سورۂ ملک میں ہے کہ تو رحمٰن (اللہ تعالیٰ) کی تخلیق میں کوئی بے ضابطگی نہیں پائے گا تو دوبارہ نظر ڈال کر دیکھ لے کیا تجھے کوئی شگاف نظر آرہا ہے؟ پھر دہرا کر دو دو بار نظر ڈالے، تیری آنکھ تیری طرف ذلیل (عاجز) ہو کر تھکی ہوئی لوٹ آئے گی (۸۹/ د) اور مثلاً سورۂ یٰس میں ہے کہ سورج کے لئے یہ روا نہیں کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ ہی رات دن پر سبقت لے جاسکتی ہے اور یہ سب (اجرام سماوی) فلک میں تیر رہے ہیں۔ (۹۰/ الف) پس یہ مشاہداتی اور آفاقی دلائل بھی ثابت کر رہے ہیں کہ اللہ ایک ہی ہے۔

دوسرا شبہ یہ ہوسکتا ہے کہ چلئے اللہ ایک ہی ہے لیکن عین ممکن ہے کہ اس نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو مختار کل، حاضر و ناظر اور غیب دان بنا رکھا ہو، لہٰذا اس کی بھی عبادت اور مافوق الاسباب امور میں اس سے استعانت (مدد طلب کرنا) مقصود و مطلوب ہو یعنی خدا کی ذات میں تو کوئی شریک نہیں لیکن اس کی صفات میں (معاذ اللہ) مخلوق کے بعض افراد یا کسی بھی ایک فرد کو خود اللہ تعالیٰ نے شریک بنا رکھا ہو۔ یہ شرک فی الصفات ایسی سنگین فکری لغزش ہے، جس میں ابلیس نے شروع سے ہی لاتعداد لوگوں کو مبتلا کر رکھا ہے۔ شرک فی الصفات کی تردید بھی سورۂ فاتحہ کی ابتدائی آیات میں کر دی گئی ہے۔ پہلے مافوق الاسباب امور کا مطلب سمجھ لیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو اسباب کا کارخانہ بنایا ہے۔ ان اسباب کو اور ان میں قوت تاثیر کو اسی نے پیدا کیا ہے وہ خود اسباب کا محتاج نہیں، مخلوق ان اسباب کے تابع ہے۔ کچھ اسباب ایسے ہیں جو انسانی تصرف اور اختیار ہی سے باہر ہیں۔ مثلاً اجرام فلکی کا اپنے اپنے مداروں میں حرکت کرنا، بادلوں کا اٹھنا، بارش کا برسنا وغیرہ کے اسباب ہمارے اختیار میں نہیں۔ کچھ اسباب ایسے ہیں جنہیں انسان اختیار کر سکتا ہے مگر ان کے ثمرات و نتائج ہمارے اختیار میں نہیں مثلاً بیمار ہونے پر ہم طبیب سے رجوع کر سکتے ہیں، دوا لے کر استعمال کر سکتے ہیں لیکن شفایابی ہمارے اختیار میں نہیں ورنہ کوئی مریض بھی موت سے ہم کنار نہ ہوا کرتا۔ ہم نکاح کر سکتے ہیں لیکن اولاد کا ہونا ہمارے اختیار میں نہیں ورنہ دنیا میں کوئی جوڑا بھی بے اولاد نہ ہوا کرتا۔ ہم روزی کمانے کے لئے زراعت، تجارت، صنعت، ملازمت کے پیشے اختیار کر سکتے ہیں لیکن ضروری نہیں کہ روزی ہمیں حسب منشا ملے ورنہ دنیا میں کوئی بھی مفلس و نادار نہ ہوا کرتا، یعنی کچھ کاموں کے اسباب تو کم و بیش ہمارے اختیار میں ہوتے ہیں لیکن ان کے ثمرات ہمارے اختیار میں نہیں ہوتے جن امور کے اسباب اللہ تعالیٰ نے ہمارے اختیار میں رکھے ہیں انہیں امور عادیہ

(Habitual affairs) یا ماتحت الاسباب امور کہا جاتا ہے اور جو امور ہمارے اختیار میں نہیں انہیں امور غیر عادیہ Non-Habitual affairs یا مافوق الاسباب امور کہا جاتا ہے۔ مافوق الاسباب کا یہاں یہ مطلب نہیں کہ ان امور کے اسباب ہی نہیں ہوتے بل کہ مطلب یہ ہے کہ ان کے اسباب ہمارے اختیار میں نہیں ہوتے۔ پھر جو اسباب ہمارے اختیار میں ہیں ان کی بھی دو قسمیں ہیں جلی اور خفی۔ جلی یعنی کھلے اور واضح اسباب کو لوگ آسانی سے جانتے اور پہچانتے ہیں مگر خفی یا پوشیدہ اسباب کو سب لوگ نہیں پہچانتے، مثلاً پے چیدہ سائنسی ایجادات کے اسباب عام لوگوں سے مخفی ہیں۔ شعبدہ بازی، سحر و نجوم، بعض عملیات سے جنات وغیرہ موکلوں کی تسخیر اور ان سے کام لینا ایسے امور کے اسباب خفی تو ہیں لیکن ہمارے تصرف اور اختیار سے کلیتاً باہر نہیں۔ اختیاری اسباب کے تحت انسانوں اور دیگر مخلوقات سے کسی کو جو بھی نفع ونقصان پہنچتا ہے وہ دراصل اللہ تعالیٰ کی ہی طرف سے ہے، کیوں کہ اسباب اور ان اسباب کو اختیار کرنے والی مخلوق سب کو اسی نے پیدا کیا ہے۔ امور عادیہ میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں سے مدد طلب کرنا یا نفع ونقصان کو مجازی حیثیت سے انسانوں یا کسی اور مخلوق کی طرف منسوب کرنا شرک نہیں بل کہ دوسروں سے اس طرح کی مدد تو خود حضرات انبیاء علیہم السلام نے بھی طلب کی ہے۔ مثلاً حضرت عیسیٰ نے حواریوں سے پوچھا تھا کہ اللہ کی خاطر میری مدد کون کرے گا؟ حواریوں نے مدد کرنے کا وعدہ کیا۔ (۹۰/ ب) البتہ امور غیر عادیہ یا مافوق الاسباب امور میں مخلوق سے مدد مانگنا شرک ہے جس میں مخلوق کو مختار سمجھا گیا ہو کہ وہ ازخود یا خدا کے دیئے ہوئے اختیار سے لوگوں کی حاجت روائی کرتے ہیں بل کہ مشرکین میں سے کوئی بھی یہ کہتا نہیں سنا گیا کہ مخلوق کو ایسے اختیارات ازخود حاصل ہیں بل کہ وہ یہی کہتے ہیں کہ اللہ نے انہیں اختیارات سونپ رکھے ہیں۔ مشرکین عرب بتوں کو پکارتے تھے تو یہی سمجھتے تھے کہ جن بتوں کی وہ پوجا کررہے ہیں اور جنہیں وہ پکارتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے سفارش کرکے ان کے کام نکلوا دیتے ہیں۔ مانعبدھم الا لیقربّونا الی اللہ زُلفٰی (....) یعنی ''ہم تو ان (بتوں) کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کا مقرب بنادیں گے۔ ھؤلاء شفعاء نا عند اللہ (۹۰/ ج) ''اللہ کے نزدیک یہ ہمارے سفارشی ہیں''۔ اللہ کے نیک بندوں سے دعا کرانا امور عادیہ میں شامل ہے، شرک نہیں۔ لیکن ان بندوں کی عبادت کرنا اور امور غیر عادیہ میں ان سے مدد طلب کرنا شرک ہے۔ غیر اللہ یعنی مخلوق سے مدد حاصل کرنے کی ان مختلف صورتوں میں امتیاز نہ کرنا مشرکین کو شرک میں مبتلا کرتا ہے۔ یہ لوگ اپنے اس شرک پر امور عادیہ یا ماتحت الاسباب امور سے استدلال کرتے ہیں حال آں کہ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ کسی پیاسے کا کسی سے پانی مانگنا، کسی نادار کا مال دار سے قرض طلب کرنا، بیمار کا طبیب سے دوا

لینا یا کسی طرح کی بھی کسی سے امورِ عادیہ میں مدد طلب کرنا شرک نہیں۔ البتہ امورِ غیر عادیہ میں کسی سے مدد مانگنا مثلاً اولاد طلب کرنا، بارش مانگنا وغیرہ شرک ہے۔ بالفاظ دیگر مافوق الاسباب امور میں مخلوق سے مدد مانگنا کھلا شرک ہے، اسی لئے سورہ فاتحہ میں ہم سے کہا گیا ہے کہ ہم یوں کہیں **ایاك نعبدو و ایاك نستعین** (کہ (اے اللہ!) ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور (امورِ غیر عادیہ یا مافوق الاسباب امور میں) صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ مردہ لوگوں کے مجسموں (بتوں) کی عبادت اور مافوق الاسباب امور میں استعانت ہی شرک نہیں بل کہ زندہ مخلوق کے ساتھ ایسا کرنا بھی شرک ہے۔ سورہ انعام میں ہے کہ ان (مشرکوں) نے جنات کو اللہ کا شریک ٹھہرایا، حال آں کہ ان کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے اور ان لوگوں نے اللہ کے حق میں بیٹے اور بیٹیاں بلاسند تراش رکھی ہیں اور وہ پاک اور بالاتر ہے ان باتوں سے جو وہ کرتے ہیں (۹۱/ الف) اور سورہ توبہ میں ہے کہ ان (عیسائیوں) نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں، درویشوں اور عیسیٰ بن مریم کو رب بنالیا ہے، حال آں کہ انہیں صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ جو شرک کرتے ہیں تو اللہ اس سے پاک ہے۔ (۹۱/ ب) دیکھئے نصاریٰ اپنے علماء اور درویشوں کو زبان سے رب نہ بھی کہیں تو بھی انہوں نے اپنے پاپاؤں اور پادریوں کو شارع سمجھ رکھا ہے کہ وہ جس چیز کو چاہیں جائز اور حلال قرار دیں اور جس چیز کو چاہیں ناجائز اور حرام ٹھہرائیں۔ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ یہ اختیارات ان کے پاپاؤں وغیرہ کو خدا اور یسوع مسیح (حضرت عیسیٰ) کی طرف سے حاصل ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کی جائے اور مافوق الاسباب امور میں اس سے مدد طلب کی جائے تو یہ بہ ہر حال شرک ہے، خواہ جس کی عبادت اور جس سے مدد مانگی جارہی ہو اسے زبان سے رب کہا جائے یا نہ کہا جائے۔ سورہ فُصِّلَت میں ہے کہ سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو اور اللہ ہی کو سجدہ کرو جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا ہے۔ (۹۱/ ج) الغرض اللہ کے سوا زندہ، مردہ، شمس وقمر، شجر وحجر، انسان وحیوان جس کی بھی عبادت کی جائے اور مافوق الاسباب امور میں اس سے مدد مانگی جائے شرک ہے۔

اسباب اختیاری ہوں یا غیر اختیاری ان سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور ان اسباب پر مبنی سب امور بھی اسی کے پیدا کردہ ہیں۔ انسان یا دوسری مخلوق تو محض اس اختیار کو کام میں لاتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے دے رکھا ہے۔ اس لئے افعال واعمال کی نسبت گو عام حالات میں لسانی محاورات کے مطابق مخلوق کی طرف کر دی جاتی ہے لیکن یہ نسبت یا اسناد دراصل اسنادِ مجازی ہے حقیقی نہیں دیکھئے اللہ تعالیٰ ہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ **الله یتوفی الانفس حین موتها** (۹۲/ الف) ”اللہ جانوں کو ان کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے“۔ لیکن چونکہ یہ کام فرشتوں کے ذریعے ہوتا ہے اس لئے اسنادِ مجازی کے طور پر اس کی

نسبت بعض اوقات ان کی طرف کر دی جاتی ہے ثم توفتہ رسلنا وھم لا یفرطون (۹۲/ ب) ''پھر ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اس کی جان قبض کر لیتے ہیں اور وہ کوئی کمی بیشی نہیں کرتے''۔ اولاد اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ نے ہی بیٹا (عیسیٰ) عطا فرمایا۔ لیکن یہ جبرئیل توسط سے ہوا اس لئے حضرت جبرائیل نے بطور اسنادِ مجازی اس کی نسبت اپنی طرف کر لی قال انما انا رسول ربك لاھب لك غلاماً زکیاً (۹۲/ ج) ''(جبرائیل نے) کہا میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تا کہ تجھے پاکیزہ لڑکا عطا کروں۔'' ورنہ حضرت مریم کو لڑکا اللہ تعالیٰ نے ہی عطا فرمایا تھا چناں چہ جب حضرت مریم نے تعجب کا اظہار کیا کہ جب مجھے کسی مرد نے چھوا تک نہیں تو میرے لڑکا کیسے پیدا ہوگا تو حضرت جبرئیل نے جواب دیا کہ بات تو یہی ہے لیکن تیرے رب کا ارشاد ہے کہ ایسا کرنا مجھ پر بہت آسان ہے (۹۳/ الف) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ طور اسنادِ مجازی شارع کہا جاتا ہے کہ آپ وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی لوگوں تک پہنچاتے ہیں، حقیقی شارع اللہ تعالیٰ ہی ہے ورنہ یہ نہ کہا جاتا کہ اے نبی! جو اللہ نے تیرے لئے حلال کیا ہے تو اسے (استعمال نہ کر کے اپنے اوپر) کیوں حرام کرتا ہے؟ (۹۳/ ب) اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر کی طرف تحلیل و تحریم کی نسبت بہ طور اسنادِ مجازی ہے۔ آج کل کے محاورات میں بچے پیدا کرنے کی نسبت بہ طور اسنادِ مجازی والدین کی طرف کر دی جاتی ہے، حال آں کہ پیدا اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ والدین کا اولاد حاصل کرنے کا عمل یا کسب بچے جننا کہلاتا ہے۔ زمین سے نباتات اللہ تعالیٰ ہی اگاتا ہے مثلاً سورہ ق میں ہے کہ ہم نے آسمان سے بابرکت پانی برسایا اور اس سے باغات اور کٹنے والے کھیت کے غلے اگائے اور کھجوروں کے بلند و بالا درخت جن کے خوشے تہ بہ تہ ہیں (۹۳/ ج) لیکن (مثلاً) سورہ بقرہ میں اگانے کی نسبت دانے کی طرف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان لوگوں کی مثال جو اپنے اموال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ایک دانے کی طرح ہے جو سات بالیوں کو اگائے اور ہر بالی میں سو دانے ہوں (۹۴/ الف) پس یہاں دانے کی طرف اگانے کی نسبت عام لسانی محاورات کے مطابق اسنادِ مجازی کے طور پر ہے۔ اگر اس اسنادِ مجازی سے شرک کی گنجائش نکلتی ہو تو مثلاً گندم اور جو وغیرہ کسی غلے کے دانے کو بھی حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہوئے اس کے سامنے سجدہ ریز ہونا چاہئے اسے پکار پکار کر اس سے دعائیں مانگنی چاہئیں۔ اس اسنادِ مجازی سے بعض لوگ دھوکہ کھاتے ہیں تو بعض دھوکہ دیتے ہیں مثلاً حضرت ابراہیمؑ نے نمرود سے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ نمرود نے لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے سزائے موت والے دو قیدیوں میں سے ایک کو رہا اور دوسرے کو قتل کرا کر کہا کہ میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔ نمرود اختیاری اسباب کی آڑ میں دھوکہ دے رہا تھا اس لئے حضرت

ابراہیمؑ نے فوراً غیر اختیاری اسباب کا یوں حوالہ دیا کہ میرا رب سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال کر دکھادے۔ نمرود لاجواب اور مبہوت و پریشان ہوگیا۔ پس یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ مثلاً کارخانہ دار اپنے مزدور کا، زمیندار اپنے مزارع کا رازق ہے یا قاتل مقتول کو موت دیتا ہے یا ماں باپ اولاد پیدا کرتے ہیں توحید کامل یہ ہے کہ انسان کو کسی سے راحت یا تکلیف پہنچے تو اسے اللہ کی طرف سے سمجھے، البتہ انسان اللہ کے دیئے ہوئے محدود اختیار سے اسباب میں جو تصرف (دخل اندازی) کرتا ہے اسے اس کے اچھے تصرف اور کام پر اچھا صلہ ملتا ہے، بہ شرطے کہ وہ مومن ہو اور برے کام اور برے تصرف پر اسے سزا ملتی ہے اگر اللہ تعالیٰ نے اسے معاف نہ کیا ہو لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت (۹۴/ ب) ''اسے اس کے اچھے کاموں کا فائدہ ہوگا اور اس کے برے کام اس کے لئے نقصان دہ ہوں گے۔'' انسان خالق اعمال نہیں بل کہ وہ کاسب اعمال ہے۔ واللہ خلقکم وما تعملون (۹۴/ ج) اور اللہ نے تمہیں بھی اور تمہارے اعمال کو بھی پیدا کیا۔'' اللہ خالق کل شئی (۹۵/ الف) ''اللہ ہر (پیدا کی ہوئی) چیز کا خالق ہے۔'' کام اچھے ہوں یا برے، ان کاموں کے کرنے والوں کو اور ان کے کاموں کے اچھے یا برے اثرات اور ان کاموں کے تمام اسباب کو چوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کو خالق اعمال کہا جاتا ہے لیکن یاد رہے کہ برے کام اللہ تعالیٰ سے صادر نہیں ہوتے۔ صدورِ فعل اور خلقِ فعل اسی طرح کسبِ فعل اور خلقِ فعل میں فرق کو ملحوظ رکھا جائے۔ ابلیس جو سراپا شر ہے اسے اللہ ہی نے پیدا کیا ہے ابلیس جو کچھ کرتا ہے اس کی طاقت وصلاحیت اللہ ہی نے اس کے اندر پیدا کی ہے اور اس کے برے کاموں میں برے اثرات اللہ ہی نے رکھے ہیں لیکن شر کا صدور (معاذ اللہ) اللہ سے نہیں بل کہ ابلیس سے ہوتا ہے۔ زید نے عمرو کو (بالفرض ناحق) قتل کیا تو دراصل عمرو کو موت اللہ تعالیٰ نے ہی دی خلق الموت والحیوٰۃ (۹۵/ ب) ''اسی نے موت اور زندگی کو پیدا کیا''۔ لیکن عمرو نے اللہ کے دیئے ہوئے محدود اختیار سے کام لیتے ہوئے عمرو کو قتل کرنے کے جو (اختیاری) اسباب اختیار کئے اسی کو اللہ تعالیٰ نے اس کا کسب واکتساب قرار دیا ہے، جیسا کہ اوپر سورہ بقرہ کی آیت کے جزو سے واضح کیا جاچکا ہے۔ زید اپنے برے کسب واکتساب کا ذمے دار ہونے کی بنا پر مجرم ہے۔

جو اسباب جلی نہیں بل کہ خفی ہیں یا جن کے اسباب سب مخلوق یا بعض کے شر اختیار میں نہیں جیسے معجزہ اور کرامت کے طور پر پیغمبر یا ولی کوئی خارقِ عادت کام ظاہر کرے یا کسی کافر یا فاسق وفاجر پر آزمائش کے لئے خلافِ عادت کوئی کام بہ طور استدراج ظاہر ہو یا کوئی شعبدہ بازی، یا سحر ونجوم وغیرہ سے عجیب بات ظاہر کرے یا کوئی عامل اپنے زیر تسخیر موکلات وجنات سے کام لے تو اس سے بھی بعض لوگ دھوکہ

کھا کر مخلوق کو مافوق الاسباب امور میں مدبر اور متصرف سمجھنے لگتے ہیں۔ فرشتوں کو مدبرات الامور اسنادِ مجازی کے طور پر کہا جاتا ہے، ان کی حیثیت محض بے اختیار آلے کی سی ہے کیوں کہ ان میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا کوئی مادہ ہی نہیں وہ اس کے حکم سے سرمو بھی تجاوز کی استطاعت وطاقت نہیں رکھتے۔ الغرض اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے اسباب میں سے سببِ قریب کی طرف کسی چیز کی نسبت جو عام لسانی محاورات میں کردی جاتی ہے وہ حقیقی نہیں بل کہ بہ طور اسناد مجازی ہے۔

چوں کہ تمام اسباب کو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا فرمایا ہے اور ان اسباب کو موثر بھی وہی بناتا ہے اس لئے نوع انسانی کے لئے جو مفید کام انسان کرتے ہیں ان کاموں کی نسبت کبھی اللہ تعالیٰ اپنی طرف کر لیتا ہے مثلاً سورہ زخرف میں ہے **وجعل لکم من الفلك والانعام ماترکبون** (۹۵/ ج) ''اس نے تمہارے لئے کشتیاں اور مویشی بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو'' دیکھئے یہاں کشتیاں بنانے کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کرلی حال آں کہ کشتیاں بظاہر انسان بناتے ہیں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ کشتی بنانے والا مسلمان ہو۔ غیر مسلم بھی یہ کام کرتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کشتیاں بنانے والے مسلم اور غیر مسلم سب (معاذ اللہ) خدا ہوگئے کہ انہیں مافوق الاسباب امور (امور غیر عادیہ) میں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ لیا جائے۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کی مدد ملائکہ کے ذریعے کی گئی۔ ان فرشتوں اور مسلمانوں نے میدان جنگ میں کفار مکہ کو قتل کیا لیکن اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم وماریست اذامیت ولکن اللہ رمیٰ** (۹۶/ الف) ''سو تم نے انہیں قتل نہیں کیا بل کہ اللہ نے انہیں قتل کیا۔ اور (اے پیغمبر) تو نے (اس غزوہ بدر میں مشرکین کی طرف) خاک کی مٹھی نہیں پھینکی تھی (جس سے ان کے چہروں اور آنکھوں کو ضرر پہنچا اور آنکھیں چندھیا گئیں) لیکن اللہ نے پھینکی تھی''۔ اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ صحابہ کرامؓ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (معاذ اللہ) خدا بن گئے تھے کہ مافوق الاسباب امور میں انہیں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھا جائے۔ غزوہ بنی نضیر میں یہودیوں کے قلعوں کا محاصرہ بہ ظاہر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **فاتاھم اللہ من حیث لم یحتسبوا** (۹۶/ ب) ''تو اللہ ان کے پاس ایسی جگہ سے آگیا جس کا ان (یہودیوں) کو گمان تک نہ تھا''۔ اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ (معاذ اللہ) خدا ہوگئے تھے کہ انہیں مافوق الاسباب امور میں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ لیا جائے۔ صدقات کی ترغیب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **واقرضوا اللہ قرضا حسنا** (۹۶/ ج) ''اور تم اللہ کو اچھا قرض دو''۔ آیت کا یہ مطلب نہیں کہ جس پر مال خرچ کیا گیا ہے وہ خدا ہوگیا اور مافوق الاسباب

امور میں (معاذ اللہ) حاجت روا اور مشکل کشا ہوگیا۔ قرآن کریم کی حفاظت بہ ظاہر علماء، حفاظ اور قرا کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے ہی اس نصیحت (قرآن) کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں (۹۷/ الف) اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ علماء قرآن کریم کے حافظ اور قاری حضرات سب (معاذ اللہ) خدا ہوگئے۔ سورۂ فتح میں ہے کہ تیرے جو ساتھی (حدیبیہ کے مقام پر) تجھ سے بیعت کر رہے ہیں وہ اللہ سے بیعت کر رہے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے (۹۷/ ب) اس کا یہ مطلب نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خدا ہوگئے تھے بل کہ یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ کے رسول سے عہد دراصل اللہ سے عہد ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو اس کا سبب بنے ہیں یہ ایسا ہی ہے جیسے رسول کی اطاعت دراصل اللہ کی اطاعت ہے، کیوں کہ اللہ کے حکم ہی سے تو یہ اطاعت ہو رہی ہے ورنہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (معاذ اللہ) خدا ہوگئے ہیں کہ مافوق الاسباب امور میں انہیں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھا جائے۔ اللہ کی صفات اور کاموں پر مخلوق کی صفات اور کاموں کو قیاس کرنا غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتی ہیں اور درجۂ کمال تک پہنچی ہوئی ہیں، محدود نہیں بل کہ لامحدود ہیں چناں چہ اشتراک اسی سے دھوکہ نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے بعض اسمائے حسنیٰ مثلاً سمیع وبصیر، حکیم ورحیم وغیرہ کا اطلاق مخلوق پر بھی عرف عام میں ہوتا ہے لیکن معنی اور مفہوم کا واضح فرق ہوتا ہے مثلاً انسان سمیع وبصیر ہے لیکن اس کی سماعت وبصارت کانوں اور آنکھوں کی محتاج ہے۔ اللہ کی دی ہوئی یعنی عطائی ہے، محدود ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ بھی سمیع وبصیر ہے لیکن اس کی سماعت وبصارت کانوں اور آنکھوں کی محتاج نہیں، لامحدود، مستقل اور ذاتی ہے البصر بہ واسمع (۹۷/ ج) ''اس کا دیکھنا کیسا ہی عمدہ دیکھنا اور اس کا سننا کیسا ہی عمدہ سننا ہے''۔ اس اسی مشارکت کی وجہ سے بھی بعض لوگ شرک کی گنجائش نکال لیتے ہیں، حال آں کہ ایسی گنجائش ہو تو ہر انسان کو خواہ وہ کافر ومشرک ہی کیوں نہ ہو (معاذ اللہ) خدا کی صفات کا مالک قرار دینا ہوگا، کیوں کہ مثلاً سورہ دہر میں اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو سمیع وبصیر کہا ہے اور وہ خود بھی سمیع وبصیر ہے (۹۸/ الف) اور مثلاً اللہ تعالیٰ کا ایک نام قابض یعنی جان قبض کرنے والا اور رزق وغیرہ میں تنگی کرنے والا ہے۔ اسہال بند کرنے والی دوا اور غذا کو بھی طبی اصطلاح میں قابض کہا جاتا ہے۔ اگر نام کے مشترک ہونے سے شرک کی کوئی گنجائش ہے تو ان قابض ادویہ واغذیہ کو بھی (معاذ اللہ) خدا قرار دے کر انہیں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا چاہئے۔

اور مثلاً مولیٰ (آقا) کا لفظ اللہ تعالیٰ اور مخلوق دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی حقیقی مولیٰ ہے ثم رُدّوا الی اللہ مولاھم الحق (۹۸/ ب) ''پھر ان لوگوں کو اللہ کی طرف لوٹایا جائے گا جو ان کا حقیقی آقا ہے''۔ پس وہ اپنے بندوں اور دیگر مخلوقات سے پوری طرح باخبر اور حاضر وناظر ہے۔ ہم

اپنے دینی علماء کو مولانا (ہمارا آقا) کہتے ہیں لیکن یہ مولانا حضرات عالم الغیب، مختار کل اور حاضر وناظر نہیں ہیں۔ اسی اشتراک سے دھوکہ نہیں ہونا چاہئے۔ اسی مشارکت محاورات کے مطابق لوگوں کی سہولت فہم کے لئے محض مجازی ہے، حقیقی ہرگز نہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ کو بھی سیدنا ومولانا (ہمارے سردار اور ہمارے آقا) کہا جاتا ہے۔ اس سے آپ کا عالم الغیب اور حاضر وناظر ہونا ثابت نہیں ہوتا کیوں کہ جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے اصل اور حقیقی مولیٰ (آقا) تو خود اللہ تعالیٰ ہے۔ درمیان اسباب اور ذرائع میں خالق کی نہیں بلکہ مخلوق کی صفات ہوا کرتی ہیں۔

اور مثلاً بصیر کی طرح شہید (ہر چیز پر گواہ اور حاضر) بھی اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ قرآن کریم میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام بلکہ پوری امت محمدیہ ﷺ کو بھی شہید اور شہداء کہا گیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں ہے کہ ہم نے اسی طرح تمہیں ایک معتدل امت بنایا ہے لمتکونو شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا (۹۸/ج) ''تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ بنے''۔ بہ وجب احادیث صحیحہ لوگوں کے انکار پر قیامت کے دن امت محمدیہ پچھلی امتوں پر گواہی دے گی کہ واقعی ان کی طرف بھیجے گئے پیغمبروں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام ان تک پہنچا دیا تھا اس لئے ان کا انکار صحیح نہیں ہے۔ اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر گواہی دیں گے کہ میری امت نے صحیح گواہی دی ہے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ شھید وبصیر (حاضر وناضر) ہے لیکن ان ہی شہید وبصیر کی صفات سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور پوری امت مسلمہ کا ہر فرد حاضر وناظر نہیں ہوگیا۔ اللہ کے ناموں کی طرح اللہ کے کاموں کو بھی مخلوق کے کاموں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، لہٰذا اشتراک اسمی کی طرح اشتراک فعلی سے بھی دھوکہ نہیں ہونا چاہئے۔ مثلاً سورۂ توبہ میں منافقوں کو کہا گیا ہے کہ عمل کئے جاؤ فیسری اللہ عملکم ورسولہ والمومنون وستردون الیٰ عالم الغیب والشھادۃ فینبئکم بما کنتم تعملون (۹۹/الف) ''پھر اللہ اور اس کا رسول اور مومنین تمہارے عمل کو دیکھ لیں گے اور عن قریب تم غیب وحاضر کے جاننے والے (اللہ) کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا عمل کرتے رہے تھے''۔ دیکھئے یہاں منافقین کے اعمال کو دیکھنے کے فعل میں اللہ، رسول اور مومنین (صحابہ کرامؓ) سب ہی کو شریک کیا گیا ہے لیکن اللہ کے دیکھنے اور مخلوق کے دیکھنے میں زمین وآسمان کا فرق ہے یہی وجہ ہے کہ آیت کے آخر میں واضح کردیا گیا ہے کہ عالم الغیب والشہادۃ (غیب وحاضر کو جاننے والا بالفاظ دیگر غیب بین، غیب داں اور حاضر وناظر) صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جہاں تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی بہ مطابق آیت مذکورہ رؤیت اعمال کا تعلق ہے تو یہاں ہر ہر کام کی خالصتاً بصری رویت مراد نہیں اور نہ ہی

یہ مخلوق کے اختیار میں ہے بل کہ مطلب واضح ہے کہ اختیاری اسباب کے تحت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ان منافقین کے اعمال کی حتی الامکان خبر رکھیں گے جسے اردو زبان کے محاورے میں بھی ''نظر رکھیں گے'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پس اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ غزوہ تبوک کے بعد منافقین کے اعمال پر نظر رکھنے والے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب ہی صحابہ کرام (معاذ اللہ) حاضر و ناظر ہو گئے تھے۔ اشتراک فعلی کی اسی طرح کی دیگر آیات سے بھی مخلوق کا حاضر و ناظر ہونا یا مختار کل ہونا وغیرہ ثابت نہیں ہوتا۔ (۹۹/ ب)

یہاں یہ بھی یاد رہے کہ مخلوق کا کسی جگہ اپنے جسم کے ساتھ موجود ہونا اور کسی چیز پر گواہ ہونا جسم اور مکان کا تقاضا کرتا ہے اللہ تعالیٰ جسم، جسمانیات اور مکان سے پاک ہے اس لئے اس کا حاضر و ناظر ہونا ایسا ہی ہے جیسا اس کی شان کے لائق ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کی سماعت و بصارت کی کیفیت کو پوری طرح سمجھ پانا مخلوق کے بس میں نہیں اسی طرح اس کے شہید و بصیر (حاضر و ناظر) کو پوری طرح سمجھ لینا مخلوق کے لئے ممکن نہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کو عام لسانی محاورات میں خدا کہہ دیا جاتا ہے اسی طرح اس کے شہید و بصیر ہونے کو حاضر و ناظر ہونا کہہ دیا جاتا ہے قرآن کریم میں ہے کہ پھر ہم نے تمہیں زمین میں (پچھلوں کا) جانشین بنایا ہے لنظر کیف تعملون (۹۹/ ج) ''تاکہ ہم نظر ڈالیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟''

کتب احادیث مثلاً ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں ہے، ان اللہ مستخلفکم فیھا فناظر کیف تعملون (۹۹/ د) ''اللہ تمہیں اس (زمین) میں جانشین بنائے ہوئے ہے پھر وہ ناظر (دیکھنے والا) ہے کہ تم کیا عمل کرتے ہو؟'' یوں قرآن و حدیث کی رو سے اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہے۔ شہید کا معنی حاضر اور بصیر کا معنی ناظر ہے۔ سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وما کنا غائبین (۱۰۰/ الف) ''اور ہم غائب (غیر حاضر) نہیں ہیں''۔ اگر اللہ تعالیٰ (معاذ اللہ) حاضر نہیں اور غائب بھی نہیں تو پھر کیا کہا جائے؟ پھر یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کا حاضر (موجود) اور ناظر (دیکھنے والا) ہونا ہرگز مخلوق کی طرح نہیں۔ اگر کتب لغت میں کسی لفظ کا معنی مخلوق کے اعتبار سے کیا جائے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس لفظ کا استعمال کسی بھی حیثیت سے اللہ تعالیٰ پر ہو ہی نہیں سکتا یا یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں کسی طرح شامل ہو ہی نہیں سکتا۔ کیوں کہ اسمائے حسنیٰ بالاتفاق صرف مشہور و معروف ننانوے ناموں میں ہی منحصر نہیں ہیں۔

ہم نے سورہ فاتحہ کی آیت ایاك نعبدو ایاك نستعین کے تحت استعانت کے مفہوم کو اچھی طرح واضح کرنے کے لئے اسباب (Causes) اور مسببات Effects پر سیر حاصل بحث کی ہے جس کی بھرپور تائید سورہ فاتحہ کی ابتدائی تین آیات سے بھی ہو رہی ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ جو مخلوق کی ضروریات اور ان کی

نشو ونما کو پورا کرنے کا حقیقی مالک اور کفیل ہے اور مخلوق پر وہ نہایت رحم کرنے والا اور بے حد مہربان ہے تو وہ مخلوق پر اپنی ربوبیت کاملہ اور رحمت کاملہ کا مبدأ اول یعنی اولیس حقیقی سب ہے اس لئے وہ لازماً اپنی مخلوق کے ذرہ ذرہ سے باخبر بھی ہے ورنہ اس کی ربوبیت ورحمت کا دائرہ (معاذ اللہ) محدود ہو جائے گا حال آں کہ وہ تمام جہانوں کا رب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر ربوبیت ورحمت کے جو اسباب پیدا فرمائے ہیں ان کا دائرہ عمل البتہ یقیناً محدود ومتعین ہے۔ مثلاً والدین کے اندر اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد کے لئے انتہائی رحمت وشفقت رکھی ہے اور وہ ان کی جسمانی تربیت وپرورش کا ایسا نمایاں اور بہترین ذریعہ اور سبب ہیں جو اللہ نے ہی پیدا کیا ہے حتیٰ کہ خون خوار درندے تک اپنے بچوں پر انتہائی حیرت انگیز طور پر مہربان ہوتے ہیں۔ لیکن چوں کہ والدین اپنی اولاد کے لئے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ورحمت کا محض ایک مظہر اور درمیانی ذریعہ اور سبب ہیں لہٰذا ان کا دائرہ عمل اور دائرہ اثر بل کہ ان کا علم بھی محدود ہوتا ہے۔ مثلاً ماں جو اپنے بچے پر عموماً باپ سے بھی کہیں زیادہ مشفق ومہربان ہوتی ہے وہ تو اپنے وجود سے بھی پوری طرح باخبر نہیں ہوتی۔ مثلاً اسے علم نہیں ہوتا کہ اس کا دل اور اس کی نبض دن میں کتنی بار دھڑکتی ہے، اس کے جسم اور سر پر بالوں کی صحیح تعداد کیا ہے، وہ روزانہ کتنے سانس لیتی ہے، جو غذا اور پانی اس کے پیٹ میں جاتا ہے اس کی ٹھیک ٹھیک مقدار کیا ہے اور یہ غذا اسے کون کون سے اسباب اور مراحل طے کرنے کے بعد اس کے منہ تک پہنچتی ہے، اس کے جسم کے اندرونی اعضاء اسے نظر نہیں آتے وہ صحیح سالم ہیں یا نہیں، کہیں کوئی پتھری یا رسولی وغیرہ تو نہیں بن رہی، اس کی اپنی عمر کتنی ہوگی اور کہاں کہاں سے اور کتنا رزق اسے ملے گا، زندگی میں اسے کہاں کہاں سکونت اختیار کرنی ہوگی، اسے اپنی زندگی میں کون کون سی بیماریوں سے واسطہ پڑے گا اور علاج ومعالجہ کی کون کون سی اور کہاں کہاں سے سہولتیں حاصل ہوں گی، اس کی موت کب اور کہاں واقع ہوگی، مرنے کے بعد اسے کہاں دفن کیا جائے گا؟ وغیرہ وغیرہ لاتعداد امور سے بچے کی ماں قطعاً بے خبر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں ہے الا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر (۱۰۰/ب) ''بھلا جس نے پیدا کیا وہ بھی (اپنی مخلوق کو) نہ جانے گا حال آں کہ وہ نہایت ہی باریک بین اور باخبر ہے''۔ یعنی جو خالق ہے اسی کو ذرے ذرے سے باخبر ہونا چاہئے۔ اگر وہ مخلوق کے حالات سے پوری طرح باخبر نہ ہو تو وہ ان کی نگرانی، پرورش اور ضروریات کو کیسے پورا کرے گا؟ وہ رحمٰن ورحیم ہے تو جن پر اس نے رحمت کرنی ہے ان سے وہ لازماً باخبر بھی ہوگا۔ وہ قہار وجبار بھی ہے وہ مالک یوم الدین، انصاف کے دن کا مالک بھی ہے جن کا اس نے مواخذہ کرنا ہے ان سے اور ان کے اعمال سے وہ پوری طرح باخبر ہوگا چناں چہ قرآن کریم میں ہے، فانما علیک الحساب وعلینا البلاغ، (۱۰۰/ج) ''تو بات یہ

ہے کہ (اے پیغمبر!) تیرے ذمے (لوگوں تک اللہ کے پیغام کو) پہنچا دینا ہے اور ہمارے ذمے ان کا حساب ہے''، سورہ شوریٰ میں ہے کہ اگر وہ منہ پھیریں فما ارسلناك علیهم حفیظا ان علیك الا البلاغ (۱۰۱/الف) ''تو ہم نے تجھے ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا ہے تیرے ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے''۔ ان قرآنی مضامین سے معلوم ہو رہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا لوگوں کے ایک ایک عمل سے باخبر ہونا قطعاً ضروری نہیں اس لئے خارجی حقیقت بھی یہی ہے کہ انہیں لوگوں کے حالات کا تفصیلی علم نہیں ہوتا۔ یہ خاصہ صرف اللہ تعالیٰ کا ہے، چناں چہ سورہ مائدہ میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ رسولوں کو جمع کرے گا تو (ان سے) کہے گا کہ تمہیں (دنیا میں اپنی دعوت وتبلیغ پر لوگوں کی طرف سے) کیا جواب ملا تھا؟ تو وہ کہیں گے لاعلم لنا انك انت علام الغیوب (۱۰۱/ب) ''ہمیں (ماتحت الاسباب اجمالی علم تو ہے لیکن تفصیلی) علم نہیں بے شک تو ہی غیبوں کا جاننے والا ہے''۔ اس آیت کی ایک (مرجوح) تفسیر بعض لوگوں نے یہ کی ہے کہ قیامت کی دہشت کی وجہ سے وہ لاعلمی کا اظہار کریں گے حال آں کہ ان رسولوں میں سید المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو ہیں۔ یہ صحیح نہیں کہ قیامت کے دن خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی بھی (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) خوف ودہشت کا شکار ہوں گے۔ آیت کا آخری حصہ بھی اس کی تردید کر رہا ہے، پیغمبر اپنی اپنی امتوں کے تفصیلی حالات سے لاعلمی اس لئے ظاہر کریں گے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی علام الغیوب ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو قیامت کے دن انتہائی اطمینان وسکون ہوگا اور باقی انبیاء علیہم السلام کے انکار پر لوگوں کے لئے سب سے پہلے صرف اور صرف آپ ہی اللہ تعالیٰ کے دربار میں شفیع (سفارشی) بنیں گے۔ اس سفارش سے بھی معلوم ہوا کہ مختارِ کُل صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ زید اگر بکر سے کسی کی سفارش کرتا ہے تو اسی لئے کرتا ہے کہ جو اختیار بکر کے پاس ہے وہ زید کے پاس نہیں ورنہ زید ضرورت مند کی حاجت خود ہی پوری کر دیتا، اسے کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ بکر سے سفارش کرے۔ بے شک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کبریٰ کا مقام اس لئے دیا گیا ہے کہ تمام مخلوقات پر آپ کی عظمت اور آپ کے شرف کا اظہار ہو، لیکن اگر اللہ تعالیٰ جزا وسزا کا سارا انتظام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے سپرد کر دیتا تو بہ ظاہر اس میں آپ کا زیادہ اکرام تھا۔ چناں چہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کے متعلق یہی عقیدہ تراش رکھا ہے۔ انجیل متی میں ہے۔ ''یسوع نے پاس آکر ان (حواریوں) سے باتیں کیں اور کہا کہ آسمان اور زمین کا کل اختیار مجھے دیا گیا ہے۔ اور دیکھو میں دنیا کے آخر تک ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں''۔ (۱۰۱/ج) انجیل یوحنا میں ہے ''بیٹا باپ سے محبت رکھتا ہے اور اس نے سب چیزیں اس کے ہاتھ میں دے دی ہیں''۔ (۱۰۱/د) اور اسی انجیل میں ہے ''کیوں کہ باپ کسی کی عدالت نہیں کرتا، بل کہ اس

نے عدالت کا سارا کام بیٹے کے سپرد کیا ہے''۔(۱۰۲/الف) انجیل متی میں ہے ''لیکن اس لئے کہ تم جان لو کہ ابن آدم (یعنی یسوع) کو زمین پر گناہ بخشنے کا اختیار ہے''۔(۱۰۲/ب) اخبار القرآن (اخبار عن المغیبات) کے تحت بائبل اور قرآن کا جو تقابل ہم پیش کر چکے ہیں اس میں بارہا یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ جہاں عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کے حق میں مذکورہ افراط سے کام لیتے ہوئے انہیں حاضر و ناظر، مختار کل، انصاف کے دن کا مالک، گناہوں کو بخشنے کے اختیار کا مالک قرار دیا ہے وہیں انہوں نے حضرت عیسیٰ کے حق میں سخت تفریط سے کام لیتے ہوئے انہیں (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) ملعون اور تین دن کے لئے جہنم میں رہنے والا بھی قرار دیا ہے۔ ہم ان شاء العزیز قرآن کریم کی وجہ ''اعجاز برھان القرآن'' کے تحت نا قابل تردید دلائل سے ثابت کریں گے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی شان میں غلو اور افراط سے بہ ظاہر ان کا مقام و مرتبہ بڑھتا نظر آتا ہے لیکن درحقیقت اس سے ان کی توہین لازم آتی ہے۔

ہمیں سنجیدگی سے سوچنا چاہئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا تھا کہ میری امت پچھلی امتوں کے طریقے پر چلے گی تو کہیں ہم ان سنگین فکری لغزشوں کا شکار تو نہیں ہو رہے جن کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں نصاریٰ شکار ہوئے؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن شفاعت کی اجازت حاصل کرنے سے پہلے میں اللہ تعالیٰ کے سامنے سربسجود ہوں گا اور سفارش کی اجازت طلب کروں گا تو مجھے اجازت مل جائے گی **ویلھمنی محامد احمدہ بھا لا تحضرنی الآن فاحمدہ بتلك المحامد** (۱۰۲/ج) ''اور وہ مجھے اپنی تعریف کے ایسے کلمات الہام فرمائے گا جن سے میں اس کی حمد کروں گا اور یہ کلمات اس وقت مجھے معلوم نہیں''۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنایا ہے۔ اگر یہاں رحمت کو رحیم کے معنی میں بھی لیا جائے تو بھی اس سے آپ کا عالم الغیب ہونا یا مختار کل ہونا ثابت نہیں ہوتا کیوں کہ اصل رحمٰن و رحیم تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے اسی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی رحمت کا ذریعہ بنایا ہے۔ جیسا کہ اوپر واضح کیا جا چکا ہے درمیانی ذرائع اور اسباب میں خالق کی صفات نہیں بل کہ مخلوق کی صفات ہوا کرتی ہیں اور مخلوق کا ہر چیز سے باخبر ہونا ہرگز ضروری نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ والدین اپنی اولاد پر، شفیق استاد اپنے شاگردوں پر، اچھا حاکم اپنی رعایا پر، ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر رحیم (مہربان) تو ہے لیکن یہ تو ضروری نہیں کہ جن پر وہ مہربانی کر رہا ہے ان کے تفصیلی حالات سے بھی پوری طرح باخبر ہو کیوں کہ اصل رحیم تو اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ درمیانی اسباب تو اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ ایک عالم دین کی خدمات سے بے شمار لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں مگر یہ ضروری نہیں کہ فائدہ اٹھانے والوں کا فرداً فرداً اور تفصیلی علم بھی اس عالم دین کو ہو۔ حقیقت میں فائدہ

اللہ تعالیٰ ہی پہنچاتا ہے۔ وہ جس طرح چاہے اور جس کے ذریعے جیسے اور جتنا چاہے فائدہ پہنچائے۔ اس سے ان درمیانی ذرائع کا عالم الغیب یا مختار کل ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ چنانچہ اگر مخلوق میں سے کوئی عالم الغیب، مختار کل اور حاضر و ناظر ہوتا تو مافوق الاسباب امور میں اس سے مدد مانگنے اور اس کی عبادت کرنے کی پوری پوری گنجائش ہوتی لیکن سورہ فاتحہ میں ایاک نعبد وایاک نستعین کے کلمات نے اس غلط تصور کی مکمل بیخ کنی کر دی ہے۔ دیکھئے سورہ فاتحہ کی ابتدائی چار آیات نے اللہ تعالیٰ کی توحید ذات کے ساتھ ساتھ توحید صفات کو بھی حیرت انگیز ایجاز واختصار سے ثابت کیا ہے اور قرآن کریم کے دیگر متعلقہ مضامین نے سورہ فاتحہ کے اس مضمون کی تفصیل بیان کر دی ہے۔

تیسرا شبہ یہ ہوسکتا ہے کہ ممکن ہے کہ خدا سرے سے موجود ہی نہ ہو جیسا کہ مادہ پرست دہریوں کا دعویٰ ہے۔ اس شبہے کی جڑ بھی رب العالمین کے کلمات نے کاٹ دی ہے۔ کیوں کہ کائنات میں علّت ومعلول کے سلسلے کا انکار مادیین یا مادہ پرست دہریے بھی نہیں کر سکتے۔ علّت سبب کو اور معلول اس کے نتیجے کو کہتے ہیں۔ مثلاً سورج علّت ہے اور دھوپ معلول ہے۔ جب علّت غیر ارادی ہو، علم وشعور اور زندگی سے محروم ہو اور اس میں معلول کے ظاہر ہونے کی تمام شرائط بھی پائی جائیں تو قوانین فطرت کے تحت ایسی علّت تامہ سے معلول کا ظہور لازماً ہوگا مگر یہ یک دم ہوگا، اس میں بہ تدریج ارتقائی مراحل نہیں ہوں گے لیکن ہم کائنات میں ارتقائی عمل دیکھ رہے ہیں۔ اشیا کا پیدا ہونا، بہ تدریج ان کا نشو ونما پانا اور پھر زوال وفنا سے دوچار ہونا ہمارے روزمرہ کے تجربے اور مشاہدے میں ہے۔ اس معروف ارتقائی عمل کے پس پردہ ایک طویل عرصے پر محیط ارتقائی عمل بھی ہے جس کا انکار مادیین بھی نہیں کرتے گو اس کی تفصیلات اور جزئیات میں اہل علم کا اختلاف ہو۔ مادیین یا دہریے مادے (Matter) کو اس کائنات کی آخری علّت یا علّت العلل (Ultimate Cuase) قرار دیتے ہیں اور ساتھ ہی یہ اعتراف بھی کرتے ہیں کہ مادہ علم وارادہ اور شعور وحیات سے محروم ہے۔ غیر ارادی علّت سے تدریجی ارتقاء ظہور پذیر نہیں ہوسکتا تھا اور نہ ہی مادہ ایک طویل عرصے تک غیر موثر رہ سکتا تھا۔ اس سے معلول کا صدور یکدم اور ایک ہی نوعیت کا ہوتا۔ اس میں تنوع اور رنگارنگی نہ ہوتی۔ پس اس کائنات کی علّت علم وارادہ اور شعور وحیات کی صفات سے بہرہ مند ہے اور اس علّت مرید یعنی ارادہ کناں علت کو ہی ہم رب کہتے ہیں۔ رب کا معنی ہی یہ ہے ہر چیز کو بہ تدریج نشو ونما دے کر اسے درجۂ کمال تک پہنچانے والا۔ اسے ہم ''دلیلِ علّت ومعلول'' کا عنوان دے سکتے ہیں پھر اس دنیا میں کوئی انسان بھی صحت وشباب اور دوسری تمام نعمتوں سے محروم نہیں ہونا چاہتا۔ اگر یہ خواہش غیر فطری ہوتی تو سب لوگوں میں نہ پائی جاتی مثلاً کوئلہ، مٹی اور کنکر کھانے کی عادت غیر فطری

ہے اور مرض کی علامت ہے اس لئے یہ سب لوگوں میں نہیں پائی جاتی بل کہ صرف چند مریضوں میں پائی جاتی ہے۔ کوئی بھی فطری خواہش بے کار اور بلا وجہ نہیں ہوسکتی لیکن کسی کی بھی یہ خواہش اس دنیا میں پوری نہیں ہوتی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مرنے کے بعد کسی اور جہان میں یہ خواہش پوری ہوسکتی ہے۔ اندھا، بہرہ، گونگا اور بے جان مادہ یہ خواہش جن وانس میں پیدا نہیں کرسکتا۔ جس نے یہ خواہش پیدا کی ہے وہی رب العالمین ہے جس نے ہمیں حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعے اس اگلے جہان کی تیاری کا طریقہ بھی بتادیا۔ یہ اللہ کی جن وانس پر خاص رحمت ہے کہ اس نے ان پر اس فطری خواہش کے اسرار کھول دیئے، چناں چہ سورہ فاتحہ میں الحمدللہ رب العالمین کے بعد اپنی رحمت کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا، الرحمٰن الرحیم، کہ وہ نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ پھر بتایا کہ دنیوی زندگی کے بعد بھی زندگی ہے جو عالم آخرت میں ہوگی۔ وہاں اللہ تعالیٰ کے فرماں برداروں پر رحم ہوگا اور اس زندگی کی تیاری نہ کرنے والوں کے ساتھ ظلم نہیں بل کہ انصاف ہوگا۔ مالک یوم الدین، وہ انصاف کے دن کا مالک ہے۔ اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دہریوں کا یہ دعویٰ قطعاً غلط ہے کہ لوگوں کی ناآسودہ خواہشات نے ایک (فرضی) خدا کا ان میں تصور پیدا کر رکھا ہے۔ لوگوں کی اس دنیا میں کبھی نہ پوری ہونے والی بہت سی ایسی فطری خواہشات سے تو خدا کے وجود اور عالم آخرت کے تصور کی بھرپور تائید ہوتی ہے نہ کہ تردید۔ اسے ہم ''دلیل جبلّی'' قرار دیتے ہیں اور دہریوں کے دیگر متعلقہ شبہات کو بھی زیر بحث لاتے ہیں چنانچہ دہریوں کا یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں کہ خدا کا تصور دراصل خوف کی پیداوار ہے۔ شروع میں انسان بہ قول ان کے علوم سے بے بہرہ تھا۔ خارجی مظاہر سے وہ مرعوب تھا۔ بادل کی کڑک سے وہ سہم جاتا تھا اور بجلی کی چمک اسے خوف زدہ کردیتی تھی۔ طوفان، زلزلے، مہلک وبائی امراض اور دیگر حوادث اسے پریشان اور دہشت زدہ کردیتے تھے۔ اسی خوف سے بچنے اور سکون کی تلاش کے لئے انسان نے دیوی دیوتاؤں اور خدا کا تصور بہ قول ان دہریوں کے قائم کرلیا۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ دعویٰ ہی غلط ہے کہ ابتدا میں انسان غیر مُہذّب، جاہل یا وحشی تھا یا یہ کہ وہ متعدد خداؤں کا قائل تھا اگر ملحدین کی ان باتوں کو مان لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ یہی ثابت ہوگا کہ کچھ مذاہب باطلہ خوف کی بنیاد پر وجود میں آئے ہوں گے ہم تو سچے دین، اسلام کی مدافعت کررہے ہیں جھوٹے مذاہب ایسے ہی باطل ہیں جیسے خود دہریت اور اس کی مختلف صورتیں باطل ہیں۔ خوف پر جو مذہب استوار ہوگا اس کے پیروکار شجاعت وعزیمت کی صفات سے متصف ہونے کی بہ جائے بزدل اور زندگی کے تلخ حقائق سے فرار اختیار کرنے والے ہوں گے اس کے برعکس حضرات انبیاء علیہم السلام نے عموماً اور خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصاً انتہائی عزیمت وہمت، حوصلہ مندی، بہادری، استقلال

وجفاکشی کا مظاہرہ فرمایا اور ان کے سچے اور مخلص پیروکاروں نے مشکلات ومصائب کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور باطل کے طوفانوں کا رخ موڑ دیا اور نوع انسانی کو عزت ووقار کے ساتھ امن وسلامتی کی راہ پر ڈال دیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ انقلابی اصلاحی معاشرے سے دور جاہلیت کے عربوں کا خصوصاً اور دیگر اقوام کی حالت کا عموماً تقابل کیا جائے تو دہریوں کا مذکورہ استدلال باطل ٹھہرتا ہے۔ ملحدین کا ایک اعتراض یہ ہے کہ مادے کا مخلوق ہونا حواس سے معلوم نہیں ہوتا۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ علم صرف حواس خمسہ سے ہی نہیں بل کہ عقل سے بھی حاصل ہوتا ہے۔ خود یہ قوانین فطرت مثلاً کشش ثقل کا قانون، قوانین حرکت وغیرہ کوئی نظر آنے والی اشیا نہیں ہیں۔ تخلیق کائنات کے متعلق ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ یہ کائنات ایک عظیم دھماکے سے وجود میں آئی تھی۔ منکرین خدا نے اگر مادہ پیدا ہوتے نہیں دیکھا تو انہوں نے یہ دھماکہ کب سنا تھا؟ نیوٹن نے جو کچھ دیکھا تھا وہ سیب اور اس کا درخت تھا۔ اس نے درخت سے سیب کو گرتے دیکھا تو اپنی عقل سے قانون کشش ثقل کا پتہ چلایا۔ یہ قانون بہ ذات خود کوئی مرئی یا قابل دید شے نہیں ہے۔ جس طرح تجربات ومشاہدات پر غور وفکر کر کے عقل قوانین فطرت کو معلوم کرتی ہے، یہی عقل اللہ تعالیٰ کے وجود کی بھی شہادت دینے لگتی ہے۔ جیسا کہ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کائنات میں تدریجی نشوونما کے پیچھے ایک ارادی اور اختیاری علت ہوسکتی ہے۔ علم وشعور، زندگی ارادے اور اختیار سے محروم مادہ کا یہ کام نہیں ہوسکتا۔ پس اللہ رب العالمین ہے۔ کسی چیز کے وجود کے لئے قطعاً ضروری نہیں کہ اس کی پوری حقیقت بھی ہمیں معلوم ہو۔ کیا منکرین خدا نے اس کائنات کے تمام موجودات کا احاطہ کر لیا ہے؟ کائنات اس قدر وسیع ہے کہ نوری سالوں کے حساب سے بھی اس کا تصور کیا جائے تو انسانی ذہن جواب دینے لگتا ہے۔ جب بے شمار چیزوں کی پوری حقیقت ان ملحدوں کو معلوم نہیں تو وہ ان حقائق کا انکار کیوں نہیں کر دیتے؟ خود انہیں اپنے وجود کے متعلق تمام حقائق کا پورا پورا علم حاصل نہیں، مثلاً وہ یہ نہیں بتا سکتے کہ ان کے جسم اور سر پر بالوں کی ٹھیک ٹھیک تعداد کیا ہے تو وہ اپنے وجود کا انکار کیوں نہیں کر دیتے؟ پس منکرین خدا کا یہ استدلال باطل ہے کہ چوں کہ خدا کی حقیقت ہمیں معلوم نہیں اس لئے ہم خدا کا انکار کرتے ہیں اور ان کا یہ دعویٰ بھی مضحکہ خیز ہے کہ خدا کے انکار سے عالمی نظام میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ حقیقت کسی کے اقرار یا انکار سے متاثر نہیں ہوا کرتی۔ دہریے اگر اپنے وجود ہی سے انکار کر دیں تو اس انکار سے ان کے ہاتھ پاؤں مفلوج نہیں ہو جائیں گے۔ نہ دماغ کام کرنا چھوڑ دے گا اور نہ ہی معدہ کھانا ہضم کرنے سے انکار کر دے گا۔ تاہم اس انکار کو ان کی حماقت پر محمول کیا جائے گا۔ بعض حماقتوں کے اثرات ممکن ہے زیادہ مضر نہ ہوں یا سرے سے کوئی نقصان نہ پہنچے۔ لیکن خدا کا انکار ہو یا اقرار کے ساتھ

لوگ اس کی ذات وصفات میں دوسروں کو شریک کرتے ہوں تو اس کا نقصان یقینی ہے۔ قل تمتعوا فان مصیرکم الی النار (۱۰۳/الف)'' (اے پیغمبر! تو ایسے لوگوں سے) کہہ دے کہ (دنیا کے) مزے اڑالو بلاشبہ تمہارا یہ راستہ تمہیں جہنم کی طرف لے جائے گا۔''

پھر یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ خدا کے انکار سے نظامِ عالم خلل پذیر نہیں ہوتا۔ انسان بھی اسی نظام عالم کا حصہ ہے۔ خدا اور آخرت پر صحیح ایمان کے بغیر ہرگز صحیح اخلاقی اصلاح ممکن نہیں جس کے وجہ سے معاشرتی سکون اور فلاح و بہبود بھی کما حقہ ممکن نہیں۔ نیز خدا کے اقرار سے خدا کی عظمت میں کوئی اضافہ نہ ہوگا اور خدا کے انکار سے اس کی عظمت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔ منکرین خدا کا یہ بھی کہنا ہے کہ زمانہ اور اعداد غیر متناہی ہیں۔ ہر عدد گو محدود ہے لیکن ان کا مثبت اور منفی سمت میں سلسلہ غیر متناہی (نہ ختم ہونے والا) ہے اور زمانہ ماضی اور مستقبل میں غیر متناہی ہے لہٰذا یہ دونوں خدا کی صفت ازلیت وابدیت میں شریک ہوگئے۔ یہاں اصل حقیقت یہ ہے کہ زمانے اور اعداد کا خارج میں کوئی وجود ہی نہیں یہ دونوں محض ذہنی پیمانے ہیں۔ زمانہ وہ ذہنی پیمانہ ہے جس میں ہم واقعات کی ترتیب کا تعین کرتے ہیں اور اعداد کے ذریعے ہم معدودات (گنتی اور شمار کے قابل اشیا) کی گنتی کرتے ہیں تو اصل وجود خارجی واقعات اور معدودات کا ہے۔ جب کائنات میں واقعات کا تسلسل نہیں تھا، موجودات بھی نہ تھیں تو زمانہ اور اعداد بھی نہیں تھے اور نہ ہی جن وانس موجود تھے جن کا ذہن یہ پیمانے تراشتا ہے۔ اگر زمانے اور اعداد کو اللہ تعالیٰ کے علم کی طرف منسوب کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کا علم بلاشبہ ازلی وابدی ہے۔ موجودات سے قبل بھی اسے ان کا علم تھا اور بعد میں بھی اسے ان کا علم ہے اور ان پیمانوں کا بھی جن سے واقعات وموجودات کو جانچا جاتا ہے، اسے پہلے بھی علم تھا، اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔ کمیونزم اور اشتراکیت کے علم بردار تمام معاشرتی اقدار وتغیرات کو معاشی عوامل اور محرکات کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ معاشی اعتبار سے انسانوں کو سرمایہ دار اور مزدور طبقے میں تقسیم کرکے ان میں طبقاتی کش مکش کو فطری ارتقا قرار دیتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک انسان محض ایک معاشی جانور ہے جس کا حقیقی مقصدِ حیات پیٹ اور پیٹ کے تقاضے پورا کرنا ہے۔ ان کے خیال میں مذہب افیون ہے اور خدا کا اقرار محض محروم طبقے کو بہلانے اور طفل تسلیاں دینے کے لئے ہے۔ تاکہ سرمایہ دار طبقہ ان کا استحصال کرتا رہے اور وہ مذہب کا سہارا لے کر ان محرومیوں کو برداشت کرتے رہیں۔ مگر اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ دنیا کے تمام انقلابات کو معاشی محرکات کا نتیجہ قرار دینا تجربے اور مشاہدے کے خلاف ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی اگر دین اسلام کی تبلیغ اور پیروی چھوڑ کر قریش مکہ کا ساتھ دیتے تو نہ صرف ان کے اموال اور ان کی جانیں محفوظ ہوجاتیں بل کہ مزید معاشرتی مراعات

بھی انہیں قریش کی طرف سے حاصل ہوتیں۔ قریش مکہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دولت وامارت کے ساتھ ساتھ مطلق العنان بادشاہت کا بھی لالچ دیا، عورت کا لالچ دیا، زن زر زمین کی طمع دلانے کے سارے حربے انہوں نے استعمال کئے لیکن آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے نہ صرف ان معاشی ومعاشرتی ترغیبات کو مسترد کر دیا بل کہ اپنے اموال اور اپنے گھر بار چھوڑ کر ہجرت اختیار کر لی۔ اگر اشتراکیوں کا مذکورہ دعویٰ بعض مذاہب پر صادق بھی آئے تو بھی سچا دین اسلام اس سے مستثنیٰ ہے۔ اگر کوئی شخص مرغی کے انڈے سے مرغی کے بچے کی پیدائش سے یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ سب حیوانات کی افزائش نسل اسی طرح ہوتی ہے تو یہ اس کی حماقت ہوگی۔ اسی طرح مذاہب باطلہ پر اسلام کو قیاس کرنا بھی غلط سمجھا جائے گا۔ دہریت بہ ذات خود مذاہب باطلہ میں سے ایک باطل مذہب ہے۔

الغرض ''رب العالمین'' کے کلمات دہریت پر ایک کاری ضرب ہیں۔ غور کیجئے کہ دہریوں کے بہ قول مادہ علم وشعور اور حیات سے محروم ہے، لیکن کائنات میں یہ تینوں چیزیں موجود ہیں۔ زندہ اشیا میں حیات موجود ہے، انسان میں حیات کے ساتھ علم وشعور بھی ہے۔ حیوانات میں بل کہ بعض نباتات میں بھی شعور ہے مثلاً چھوئی موئی کو چھوا جائے تو وہ اپنے پتے سکیڑ لیتی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایسی اشیا صرف مادہ اور اس کی حرکت سے وجود پذیر ہوئی ہوں جو ان اوصاف سے یک سر خالی ہے۔ صرف نفی سے اثبات کا وجود عقلاً محال ہے۔ بالفرض مادہ پرستوں کی یہ بات مان بھی لیں کہ مادہ قدیم ہے، مادہ اور اس کی حرکت سے تغیرات پیدا ہوئے ہیں اور مادہ اور اس کی حرکت سے بہ قول ان کے زندگی اور زندہ اشیا میں شعور پیدا ہوتا ہے لیکن یہ غم ومسرت، یہ شہوت ونفرت، یہ غضب ومحبت، یہ تعجب وحیرت اور یہ حواس خمسہ کے احساسات بے شعور مادہ اور اس کی حرکت سے کیسے وجود پذیر ہوئے؟ الغرض کائنات کا سرچشمہ وہی ذات ہے جو علم وحیات سے موصوف ہے، جو علیم وقدیر ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ دہریوں کے خیال میں بے شعور، بے علم، بے ارادہ مادے سے تو رنگا رنگ کی یہ عظیم کائنات وجود میں آ گئی لیکن اسی مادے سے وجود پذیر انسان جو علم وشعور، ارادہ واختیار کی اعلیٰ صفات سے متصف ہے وہ تا حال مچھر کا ایک پر بھی نہ بنا سکا، ایک مکھی تک نہ پیدا کر سکا۔ پس مادہ اور اس سے وجود پذیر تمام کائنات اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ اسے ہم ''دلیل شعوری'' کا نام دیتے ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا ہی کرشمہ ہے کہ وہ طبعی قوانین جو خارجی کائنات کے مظاہر پر کارفرما ہیں، ایک دوسرے سے الگ الگ اور لاتعلق نہیں بل کہ سب ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح مربوط ہیں کہ ایک چھوٹی سی چیز کے وجود پذیر ہونے کے لئے بھی یہ قوانین قدرت مل کر کام کرتے ہیں۔ ایک کم زور

سے کمزور گھاس بھی اس وقت پیدا ہوسکتی ہے جب ہوا، پانی، مٹی وغیرہ سے لے کر آفتاب و ماہتاب وغیرہ کے افعال وخواص اس کے پیدا کرنے میں باہم تعاون کریں۔ انسان کے جسم میں بہت سے اعضا ہیں جو الگ الگ ہیں اور ان کا کام بھی جدا جدا ہے، لیکن کوئی عضو اس وقت تک کام نہیں کرسکتا جب تک کہ دوسرے اعضا بلاواسطہ یا بالواسطہ اس کے عمل میں شریک نہ ہوں یا کم از کم اس کے کام میں دخل انداز نہ ہوں۔ یعنی یہ اعضا اپنی الگ، مستقل اور آزاد قوت نہیں رکھتے بل کہ انسان میں کوئی اور خاص قوت ہے جس کی ماتحتی میں یہ سب کام کرتے ہیں۔ اس خاص قوت کو ہی نفس اور روح کہا جاتا ہے۔ انسانوں اور دیگر حیوانات کی اندرونی جسمانی صلاحیتیں بیرونی کائنات سے عجیب وغریب مطابقت رکھتی ہیں، مثلاً انسان میں سونگھنے کی حس موجود ہے تو باہر خوش بو اور بدبو موجود ہے۔ اس میں سننے کی صلاحیت ہے تو باہر آوازیں موجود ہیں۔ اس میں چکھنے کی صلاحیت ہے تو باہر ذائقہ دار اشیا موجود ہیں۔ اس میں دیکھنے کی صلاحیت ہے تو باہر رنگا رنگ کے حسین مناظر موجود ہیں۔ قوانین فطرت کی یہ باہمی مطابقت بے شعور مادے کا کام نہیں وہ بالاتر قوت جوان تمام قوانین قدرت پر عاکم ہے اللہ تعالیٰ ہے، ولہ اسلم من فی السموات والارض طوعاً وکرہاً (۱۰۳/ب) ''آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اس کی فرماں برداری کرتے ہیں۔ خوشی سے کریں یا مجبوری سے''۔

یہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ہی ہے کہ اس کائنات میں حکیمانہ ترتیب ہے۔ عناصر ومرکبات میں ترتیب میں، اجرام فلکی کی حرکات میں ایک خاص ترتیب ہے جو ارادے اور علم کے بغیر محض بخت واتفاق سے نہیں ہوسکتی۔ اگر دس پرچیوں پر ایک سے لے کر دس تک ہندسے لکھے جائیں اور ان پرچیوں کو ملا جلا کر رکھ دیا جائے اور ایک نابینا شخص سے کہا جائے کہ ان پرچیوں کو اس طرح ترتیب دے کر اٹھاتے جاؤ کہ پہلے ایک نمبر والی پرچی آئے اس کے بعد دو نمبر والی آئے، اسی ترتیب سے دس نمبر تک کی پرچیاں آجائیں تو ہزار مرتبہ کی کوشش سے بھی یہ پرچیاں مطلوبہ ترتیب سے نہیں نکلیں گی۔ اسی طرح اگر ایک قصیدے کے متفرق الفاظ اور حروف تہجی الگ الگ ٹکڑوں پر لکھ دیئے جائیں اور کسی نابینے سے کہا جائے کہ ایک ایک پرچی یوں اٹھاتے جاؤ کہ قصیدہ دوبارہ صحیح مرتب ہوجائے تو ہزار ہا مرتبہ ایسا کرنے سے بھی کامیابی نہ ہوگی۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ کل میرے مطبع (پریس) میں ایک زوردار دھماکہ ہوا جس سے کمرے کی چھت اڑ گئی، دیواریں زمین بوس ہوگئیں۔ مشینیں ٹوٹ پھوٹ گئیں۔ روشنائی کی بوتل ٹوٹ گئی، کاغذ ادھر ادھر بکھر گئے۔ جب یہ ملبہ صاف کیا گیا تو وہاں سے نہایت خوب صورت مطبوعہ کتاب برآمد ہوگئی یہ سب کچھ محض اتفاق سے ہوگیا تو اگر یہ کہانی بچوں اور بے ہودہ بل کہ مضحکہ خیز جھوٹ سمجھی جائے گی تو اس قدر منظم

ومربوط وسیع کائنات کے متعلق اس طرح کے دعوے کیسے قبول کئے جاسکتے ہیں کہ کائنات خود بہ خود وجود پذیر ہوگئی ہے؟ بچپن ہی سے انسان جب ہوش پکڑتا ہے تو وہ بدیہی طور پر یعنی بغیر کسی دلیل کے یہ جانتا ہے کہ اگر کوئی چیز ترتیب وسلیقے سے رکھی گئی ہو تو ضرور کسی نے اپنے علم، ارادے اور اختیار سے اسے ترتیب وسلیقے سے رکھا ہے۔ موالید ثلثہ یعنی حیوانات، نباتات اور جمادات کا کیمیائی تجزیہ کیا جائے مثلاً ایک بھیڑ ہے، ایک پھول ہے، ایک پتھر ہے۔ بھیڑ کو ذبح کرکے، پھول کو توڑ کر اور پتھر کو ریزہ ریزہ کرکے ان سب کا تجزیہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ ان تینوں کی ترکیب ایک ہی طرح کے بے جان اور جامد بسیط عناصر سے ہوئی ہے۔ ان عناصر کو اسی تناسب سے دوبارہ یک جا کیا جائے اور زور آزمائی کی جائے کہ تو ان میں زندگی کے آثار پیدا نہ ہوں گے۔ ایک مچھر یا ایک مکھی کا ایک پر بھی نہیں بنایا جاسکے گا۔ بے جان بسیط عناصر کی فطری ترکیب میں زندگی کہاں سے آگئی؟ یہ ابھی تک ایک سربستہ راز ہے۔ بالفرض مستقبل قریب یا بعید میں انسان پر زندگی کے اسرار کھل بھی جائیں اور بالفرض وہ ان بے جان عناصر میں زندگی کے آثار ظاہر بھی کردے تب بھی وہ خالق نہیں سمجھا جاسکتا۔ کیوں کہ تخلیق کا اصل کمال یہ ہے کہ اس مادے اور ان عناصر کو عدم سے وجود میں لایا جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو خالق اور مادے کو قدیم مانا جائے تو اس صورت میں اللہ تعالیٰ کو خالق وصانع نہیں کہا جاسکتا۔ اس صورت میں تو وہ (معاذ اللہ) مادے کا محتاج ہوگیا۔ بے علم اور بے شعور مادہ تو اللہ تعالیٰ سے کوئی درخواست والتجا نہیں کرے گا بل کہ خود اللہ تعالیٰ کو تخلیق کائنات کے لئے اس مادے کا محتاج ماننا پڑے گا۔ یوں اللہ تعالیٰ کو خالق کی بہ جائے کوزہ گر ماننا ہوگا جو کوزہ گری کے لئے مٹی کا محتاج ہوتا ہے۔ انسان جو کچھ بھی کرے اسے سوچنے سمجھنے اور مادی اشیا میں تصرف کرنے کی صلاحیتیں اللہ ہی نے دی ہیں۔ جن چیزوں میں وہ تصرف کرتا ہے وہ اللہ ہی کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ قوانین فطرت اللہ تعالیٰ ہی کے بنائے ہوئے ہیں۔ انسان نے تو صرف انہیں معلوم کیا ہے۔ انسان جو کچھ بھی کرے وہ اس کا کسب ہے وہ عمل کا کسب کرتا ہے اسے پیدا نہیں کرتا۔ جدید کلوننگ کے عمل میں بھی سائنس دانوں کی محنت وکاوش ہے لیکن وہ کسی چیز کو بھی عدم سے وجود میں نہیں لے آئے۔ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں ان کا تصرف ہے۔ ان کا یہ تصرف بھی اللہ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ کلوننگ کرنے والے سائنس دان خالق نہیں بل کہ مخلوق ہیں اور ان کے اعمال بھی مخلوق ہیں واللہ خلقکم وماتعملون (۱۰۳/ج) ''اللہ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا ہے،

اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ سے کائنات کا صدور (معاذ اللہ) اس کے ارادے اور اختیار سے نہیں ہوا بل کہ ایجاباً اور اضطراراً ہوا جیسے سورج سے روشنی کا ظہور ہوتا ہے تو اس صورت میں بھی اللہ تعالیٰ کو (معاذ

اللہ) عاجز و بے بس قرار دینا ہوگا، کیوں کہ جو ارادے اور اختیار سے محروم ہو وہ بے بس ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے۔ اس صورت میں بھی اللہ تعالیٰ کو خالق کہنا محض سینہ زوری ہوگا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا کائنات سے خلق (پیدا کرنے) کا رشتہ ہے تو پیدا وہی چیز کی جاتی ہے جو پہلے موجود نہ ہو بل کہ معدوم ہو۔ جو چیز پہلے ہی سے موجود ہو اسے وجود میں لانا تو ایجادِ موجود اور تحصیلِ حاصل ہے جو سراسر خلافِ عقل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات ہمیشہ سے ہیں اس کی صفتِ ارادہ بھی ہمیشہ سے ہے۔ اگر کوئی موصوف اپنی صفت کو ظاہر نہ کرے تو اس سے اس صفت کی نفی نہیں ہو جاتی۔ اگر خطیب خطبہ نہ دے رہا ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ صفتِ خطابت سے محروم ہے اس لئے جو کائنات کو قدیم قرار دیتے ہیں ان کا یہ اعتراض درست نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا تخلیق کائنات کا ارادہ ایک مدت تک کیوں غیر موثر رہا؟ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کو قرآن کریم میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہتا ہے ہو جا تو وہ کام ہو جاتا ہے (۱۰۴/ الف) یعنی اس پر کوئی کام بھی قطعاً مشکل نہیں ہے، لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ معدوم کائنات اللہ تعالیٰ نے آناً فاناً پیدا فرما دی الغرض کائنات قدیم نہیں بل کہ حادث ہے۔ قدیم وہ ہے جس پر عدم (نہ ہونے) کی حالت کبھی نہ گزری ہو اور حادث وہ ہے جس پر عدم (نہ ہونے) کی حالت بھی گزری ہو خواہ قلیل سے قلیل ترین مدت ہی کے لئے کیوں نہ ہو اس معنی میں فلسفیانہ اصطلاح کے مطابق اللہ تعالیٰ ہی قدیم ہے اور اسی کو قرآن کریم میں اول و آخر کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہمیشہ کے لئے ہے جب کہ کائنات اس کی مخلوق ہے پہلے موجود نہیں تھی بعد میں پیدا کی گئی۔ کائنات کے تمام افراد سب کے نزدیک حادث ہیں پس پوری کائنات جو ان افراد کا مجموعہ ہے وہ بھی حادث ہے۔

اس ساری بحث کو ''دلیل ترتیبی وحدوثی'' کے تحت سمجھنا چاہئے یہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ہی ہے کہ اس کی محبت ہماری فطرت میں داخل ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی اس فطرت کو چھپا کر خدا کا انکار کرتا ہے تو اسے کسی کو مصنوعی خدا بنانا پڑتا ہے۔ دنیا بھر کے مذاہب میں اللہ تعالیٰ کی محبوبیت موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں عجیب لذت ہے اور اس سے جن وانس کو زبردست اور حقیقی سکون میسر آتا ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب O (۱۰۴/ ب) ''خبردار! دلوں کا اطمینان اللہ کے ذکر ہی سے حاصل ہوتا ہے۔'' جو چیز موجود ہی نہ ہو بل کہ معلوم ہو۔ اس کے ذکر میں اور اس سے محبت میں یہ آثار نہیں ہو سکتے۔ معدوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے۔ کسی صاحبِ نظر کی نگرانی میں اللہ کا ذکر کیا جائے تو تاریکی کے تمام پردے اٹھ جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا یقین ایسے ہی حاصل ہو جاتا ہے جیسے اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھ رہا ہو۔ اسے ''دلیل خفی'' کا عنوان دیا جا سکتا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ہی ہے کہ ہم جب ظاہری اسباب سے مایوس ہو جائیں اور مصائب سے بچنے کے لئے کوئی راہ نہ ملے یا کسی سخت آزمائش سے دوچار ہونا پڑے تو ہم سچے دل سے ایک ایسی غیبی قوت سے ربط پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو ان مشکلات سے نکال دے امن یجیب المضطر اذادعاہ ویکشف السوء (۱۰۴/ ج)۔ ''بھلا کون ہے جو بے چین کی پکار کا جواب دیتا ہے جب وہ اسے پکارے اور کون تکلیف کو دور کرتا ہے؟'' بل ایاہ تدعون فیکشف باتدعون الیہ ان شاء وتنسون ماتشرکون (۱۰۵/ الف) بل کہ تم اسی کو پکارتے ہو تو جس مصیبت سے نکلنے کے لئے تم پکارتے ہو، وہ چاہے تو اسے دور کر دیتا ہے اور تم ان کو بھول جاتے ہو جنہیں تم اللہ کا شریک ٹھہرایا کرتے تھے''۔ اسے ''دلیلِ التجائی'' کا نام دیا جا سکتا ہے۔ پس خدا کا اعتراف انسانی فطرت میں داخل ہے۔ سورہ اعراف میں ہے کہ (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھ سے اس کی نسل کو نکالا اور خود انہیں اس پر گواہ کیا اور کہا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب بول اٹھے ہاں ہم گواہ ہیں۔'' انسانی فطرت میں یہی وہ خدا کا اعتراف ہے جو بعض اوقات دہریوں کو بھی اعتراف حقیقت پر مجبور کرتا ہے۔ الغرض خدا کا اقرار انسانی فطرت میں ہے اور ہر دور میں نوع انسانی کی عظیم اکثریت اس کا اقرار کرتی رہی ہے۔ ہر دور اور ہر زمانے میں خدا کا انکار کرنے والے کم اور اقرار کرنے والے بڑی تعداد میں رہے ہیں۔ خدا کے وجود کا احساس ایک جبلّی اور وجدانی احساس ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ ہی کی ربوبیت ہے کہ اس نے لوگوں کی فطرت میں یہ بات ڈال دی کہ وہ نفع کے خواہش مند ہوتے ہیں اور اس کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ وہ نقصان کو ناپسند کرتے ہیں اور اس سے بچنے کی حتی المقدور کوشش کرتے ہیں۔ اب اگر خدا موجود نہیں ہے تو موت کے بعد خدا کا اقرار کرنے والا اور انکار کرنے والا دونوں ہی مٹی میں شامل ہو جائیں گے دونوں میں سے کسی کا نقصان نہ ہوگا، لیکن اگر خدا موجود ہے اور موت کے بعد حقائق منکشف ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کا صحیح معنوں میں اقرار کرنے والا نقصان سے بچ جائے گا اور انکار کرنے والا ناقابل تلافی نقصان اور ضرر سے دوچار ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ ایک مادہ پرست یہی کہہ سکتا ہے کہ اگر خدا موجود نہیں ہے تو خدا کا اقرار کرنے والے نے اس کی عبادت میں وقت ضائع کیا لیکن جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ خدا کا اقرار کرنے والے نے خدا کی عبادت کر کے اپنے لئے سکون اور تسلی کا سامان فراہم کیا، جیسے دہریہ تفریح طبع کے لئے دوسرے ذرائع تلاش کرتا رہا۔ الغرض عقل سلیم کی یہی پکار ہے کہ خدا کا انکار خطرے سے خالی نہیں اور خدا کے اقرار میں اگر بالفرض نفع نہیں تو نقصان بھی کوئی نہیں۔ عقل مند شخص ہمیشہ دوسری صورت ہی اختیار کرے گا جب کہ عقل کی اس پکار کی تائید

وحی سے بھی ہوگئی۔ چناں چہ قرآن کریم میں جا بجا یہ بات کہی گئی ہے کہ عقل مند لوگ ہی نصیحت پکڑتے ہیں۔ وما یذکر الا اولوا الالباب O (۱۰۵/ ب) دہریوں کے اس سوال کے جواب میں کہ خدا کا خالق کون ہے، ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے خیال میں جب ساری کائنات مادے سے بنی ہے اور مادہ خود بخود موجود ہے تو ہم یہ کیوں نہیں کہہ سکتے کہ خدا خود بہ خود موجود ہے؟ یہاں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فریقین ایک نقطے پر آ کر رک گئے ہیں، فریقین میں سے کوئی بھی دوسرے پر غالب نہ ہوا، تو ہے، کیوں کہ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ عقل سلیم کا فیصلہ یہی ہے کہ خدا کے اقرار ہی میں عافیت ہے، انکار میں خطرہ ہی خطرہ ہے۔ اسے ''دلیل حلب منفعت اور دفع مضرت'' کہا جا سکتا ہے۔ دلیلِ خُلّی، دلیلِ التجائی اور دلیلِ حلب منفعت و دفع مضرت دراصل دلیلِ جبلی ہی کی فروع (اقسام) میں داخل ہیں آخر میں یہ بھی سمجھ لیجئے کہ جو خدا کائنات کا رب ہے وہی اس کا خالق بھی ہے کیونکہ دو خداؤں کا وجود خلافِ عقل اور محال ہے جیسا کہ پہلے شبہے سے جواب میں اللہ تعالیٰ کی توحید ذات کو ثابت کرتے ہوئے واضح کیا جا چکا ہے۔ اسی لئے سورۂ فاتحہ میں رب العالمین کی بجائے خالق العالمین کے کلمات نہیں لائے گئے کیونکہ عقل سلیم کا فیصلہ یہی ہے کہ جو رب العالمین ہے وہی لازماً خالق العالمین بھی ہے، اس کے برعکس خالق العالمین کے کلمات لائے جاتے تو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی طرف اشارہ زیادہ واضح نہ ہوتا۔

چوتھا شبہ: یہ ہوسکتا ہے کہ بسا اوقات ہم دنیا میں بدمعاشوں کو پھلتے پھولتے اور نیک لوگوں کو تکالیف اٹھاتے دیکھتے ہیں اس کا جواب سورۂ فاتحہ میں یوں دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک یوم الدین ''انصاف کے دن کا مالک ہے''۔ یعنی اس نے نیکوں کو ان کی نیکی کا اور بروں کو ان کی برائی کا بدلہ دینے کے لئے انصاف کا ایک دن مقرر کر رکھا ہے۔ غور کیجئے یہاں انداز بیان یہ اختیار نہیں کیا گیا کہ ایک وقت قیامت برپا ہوگی بل کہ یہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انصاف کے دن کا مالک ہے، تا کہ اسی آیت کے اندر قیامت کے برپا ہونے اور حشر ونشر پر دلیل بھی قائم ہوجائے اور علیحدہ کسی دلیل کی ضرورت نہ رہے۔ ہر شخص کا مشاہدہ ہے اور عقل سلیم کا بھی یہی فیصلہ ہے کہ دنیا میں سو فیصد انصاف کی فراہمی ہر کسی کے لئے ممکن نہیں۔ ممکن ہے کسی علاقے میں سرے سے قانون کی حکمرانی نہ ہو۔ اگر کہیں حکومت اور قانون موجود ہو تو بسا اوقات مجرم اپنے جرم و گناہ کے آثار کو مکمل طور پر مٹا دیتا ہے اور گواہ بھی موجود نہیں ہوتے۔ گواہ موجود بھی ہوں تو عموماً بہت سے مواقع پر وہ گواہی دینے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے یا گواہی چھپا لیتے ہیں اور کبھی وہ مجرم سے رشتے داری، قریشی یا کسی بھی اور تعلق یا کسی بھی مبنہ سے اسے کو بچانے کی پوری پوری کوشش کرتے ہیں۔ کبھی مجرم اور اس کے ساتھی گواہوں کو مرعوب اور دہشت زدہ کرتے بل کہ بعض اوقات قتل

تک کر دیتے ہیں یا انہیں مالی ترغیب اور کوئی لالچ دے کر صحیح گواہی کو چھپانے یا جھوٹی گواہی دینے پر آمادہ کر لیتے ہیں۔ گواہ سچی گواہی دینے میں کامیاب بھی ہو جائے تو بعض اوقات فریق مخالف یا اس کا وکیل چرب زبانی اور چالاکی سے اس کی سچی گواہی کو بھی مشکوک بنا دیتا ہے۔ اگر سچی گواہی جرح وتعدیل کے تمام مراحل سے بہ خوبی گزر بھی جائے تو معاملہ قاضی یا جج کے ہاتھ میں ہے ممکن ہے وہ مجرم کی برتر معاشی، معاشرتی اور سیاسی حیثیت کو فیصلے پر اثر انداز ہونے سے نہ روک سکے، چناں چہ بسا اوقات قانون مفلس ونادار، بے بس ولاچار لوگوں کو تو اپنے شکنجے میں کس لیتا ہے جب کہ نام نہاد شرفا اس کی زد سے محفوظ ہی نہیں بل کہ قانون سے عملاً بالاتر سمجھے جاتے ہیں۔ بااثر افراد اور حکام کے لئے عدالتوں اور قانون کے فیصلے الگ اور محکوم وبے بس لوگوں کے لئے الگ ہوتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ خود قاضی یا جج کو اپنی جان ومال اور عزت کا تحفظ حاصل نہ ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مالی ترغیب وغیرہ کا شکار ہو جائے۔ اگر وہ ایمان دار ہونے کی وجہ سے ترغیب وتحریص اور ترہیب وتخویف کا اثر نہ بھی قبول کرے تو بھی عین ممکن ہے کہ وہ زیر سماعت مقدمے کے تمام پہلوؤں کا صحیح جائزہ نہ لے سکے۔ اگر وہ صحیح فیصلہ دے بھی دے تو بھی عین ممکن ہے کہ کسی بھی مرحلے پر مجرم پولیس یا جیل کے حکام وغیرہ کی ملی بھگت، غفلت یا کسی بھی اور وجہ سے نکل جائے یا ابتدا ہی سے مفرور ہو اور پکڑا نہ جا سکے۔ اگر تمام مذکورہ موانع دور بھی ہو جائیں تو عین ممکن ہے کہ مجرم کو دی جانے والی سزا اس کے جرم کے مطابق نہ ہو، مثلاً اس نے پندرہ بیس افراد کو ناحق قتل کر ڈالا ہو تو اسے سزائے موت تو عملاً ایک مرتبہ ہی دی جا سکتی ہے۔ اس طرح کا فیصلہ کہ قاتل کو مثلاً بیس دفعہ سزائے موت دی جاتی ہے، محض ایسی لفاظی ہے جو حقیقت سے ہم آہنگ نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ بھی ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں نیک وبد ہر طرح کے لوگ موجود ہیں۔ کوئی نوع انسانی کا ہمدرد اور خادم ہے تو کوئی خود غرض اور ظالم ہے۔ کوئی متقی وپرہیز گار ہے تو کوئی باغی اور سرکش ہے۔ کوئی مصلح ہے تو کوئی مفسد ہے اور جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا کہ سب مجرم قانون کی زد میں نہیں آتے۔ حسد، بغض، کینہ، طمع، بداخلاقی وترش روئی، تکبر ونخوت وغیرہ کی بے شمار صورتیں ایسی ہیں جو دنیا میں قانونی گرفت میں نہیں آسکتیں۔ پس انسانی اعمال واخلاق کی اصلاح اور ہر کسی کو ٹھیک ٹھیک انصاف کی فراہمی کے لئے احکم الحاکمین اللہ تعالیٰ کی عدالت بھی نہ ہو تو عدل وانصاف کے تقاضے صحیح معنوں میں پورے ہو ہی نہیں سکتے۔ اخلاقی اصلاح کما حقہ تب ہی ممکن ہے کہ قلب وضمیر میں مجازاتِ عمل اور وقوع قیامت کے عقائد میں پوری پختگی ہو جس سے یہ تصور قلب وذہن میں جاگزیں ہو جاتا ہے کہ اگر دنیا میں سزا سے کوئی بچ بھی جائے تو بھی آخرت میں اسے اپنے ہر برے عمل کا حساب چکانا ہوگا، کیوں کہ اس کا واسطہ اور تعلق اس رب العالمین سے ہے جو انسانی وسوسوں

تک سے باخبر ہے سورہ ق میں ہے کہ بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو وسوسے اس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں اور ہم اس سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں (۱۰۵/ ج) اور سورہ بقرہ میں ہے کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اگر تم اسے ظاہر کرو یا اسے مخفی رکھو، اللہ اس کے متعلق تمہارا محاسبہ کرے گا۔ (۱۰۶/ الف) عقیدہ آخرت پر ایمان رکھنے والے کو یہ یقین کامل ہوتا ہے کہ جو لفظ بھی وہ زبان سے نکالتا ہے یا جو کام بھی وہ اپنے جسمانی اعضاء سے کرتا ہے تو فرشتے اسے لکھ لیتے ہیں چناں چہ سورہ ق میں ہے کہ جو بات بھی وہ (جن یا انسان) بولتا ہے اس کے پاس ہوشیار نگران (عمل لکھنے والا فرشتہ) موجود ہوتا ہے (۱۰۶/ ب) سورۂ انفطار میں ہے کہ بے شک تم پر نگران کراماً کاتبین (فرشتے) مقرر ہیں جو تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں (۱۰۶/ ج) عقیدہ آخرت یہ بھی سکھاتا ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہونے سے بچ نہیں سکتا اسی لئے قرآن کریم میں اس مضمون کے لئے متعدد مقامات پر فعل مجہول کا صیغہ لایا گیا ہے۔ مثلاً سورہ الحاقہ میں ہے کہ اس دن تمہیں (اللہ کے سامنے) پیش کیا جائے گا اور تمہاری کوئی مخفی بات یا عمل پوشیدہ نہیں رہے گا (۱۰۷/ الف) سورہ کہف میں ہے کہ (بروز قیامت اپنا اعمال نامہ دیکھ کر جن ہو یا انسان وہ یہ) کہے گا کہ یہ کیسا اعمال نامہ ہے کہ اس نے نہ کوئی چھوٹا عمل چھوڑا ہے اور نہ ہی بڑا، بل کہ سب کا احاطہ کرلیا ہے اور وہ لوگ اپنے کئے ہوئے لکھا ہوا پائیں گے۔ (۱۰۷/ ب) سورۂ یٰس میں ہے کہ آج کے دن ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے اور ان کے پاؤں ان کے کاموں کی گواہی دیں گے (۱۰۷/ ج) اور مثلاً سورہ فُصّلت میں ہے کہ (قیامت کے) جس دن اللہ کے دشمن دوزخ کی طرف لائے جائیں گے اور ان (سب) کو جمع کر دیا جائے گا یہاں تک کہ بالکل جہنم کے پاس آجائیں گے تو ان پر ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں، ان کے اعمال کی گواہی دیں گی۔ یہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف شہادت کیوں دی؟ وہ جواب دیں گی کہ ہمیں اس اللہ نے قوت گویائی عطا فرمائی جس نے ہر چیز کو بولنے کی طاقت بخشی ہے، اسی نے تمہیں اول مرتبہ پیدا کیا اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔ (۱۰۸/ الف) الغرض صحیح عقیدۂ آخرت ہی لوگوں کی اخلاقی اصلاح کا ضامن ہے۔ یہی وہ عقیدہ ہے جس نے ڈاکوؤں اور چوروں کو فرشتہ خصلت بنا دیا اور اسی عقیدے کی پختگی سے جن لوگوں کے دل و دماغ روشن ہوئے وہاں سے جرائم اور ظلم وحق تلفی کا سوائے چند ناقابل شمار واقعات کے نام ونشان تک مٹ گیا۔

منکرین خدا یہ کہتے ہیں کہ اگر خدا موجود ہے تو دنیا میں شر کا وجود کیوں ہے اور بسا اوقات نیک لوگ تکلیفیں کیوں اٹھاتے ہیں؟ جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحبِ حکمت بھی ہے۔ ضروری نہیں کہ

اس کے ہر کام کی حکمت کا ہمیں بھی علم ہو۔ ہم اس کے بندے ہیں نہ کہ (معاذ اللہ) وہ ہماری خواہشات کا پابند ہے۔ کچھ چیزیں بعض اوقات عقل سے بالاتر ہوسکتی ہیں جس طرح ۸×۷ کا ۵۶ ہونا چھوٹے بچے کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ جس چیز کو ہم اپنے لئے شر خیال کرتے ہیں وہ انجام کے لحاظ سے بھی شر ہو۔ چھوٹا بچہ کڑوی دوا کو اپنے لئے شر خیال کرتا ہے حال آں کہ وہ اس کے لئے مفید ہوتی ہے اس طرح ممکن ہے کہ عالمی واقعات وحوادث کی وہ کڑیاں جو ہمیں بہ ظاہر شر (بری اور ناگوار) نظر آرہی ہوں اس کی وجہ یہ ہو کہ ہمیں واقعات کے پورے سلسلے کا علم نہ ہو۔ پورا سلسلہ سامنے ہوتا تو یہی چیزیں خیر یعنی اچھی نظر آتیں۔ غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ دنیا میں جو بھی برائی پائی جاتی ہے وہ بہ ذات خود نہیں بل کہ کسی بھلائی کے تابع ہوتی ہے۔ مثلاً غصہ بری چیز ہے لیکن غصہ بالکل نہ ہوتا تو حفاظتِ خود اختیاری ممکن نہ ہوتی۔ شہوت بہ ظاہر بری شے ہے لیکن بقائے نسل کے لئے ناگزیر ہے۔ آگ ایک لحاظ سے شر ہے کہ بعض اوقات شدید نقصان کا باعث بنتی ہے لیکن اس سے بے شمار فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں اگر یہ قلیل شر دنیا میں نہ ہوتو ہم خیرِ کثیر سے بھی محروم ہوجائیں گے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جیسا کہ عقیدہ آخرت کے ضمن میں اوپر واضح کیا جاچکا ہے اچھے لوگوں کو اچھے کاموں کا صلہ ملے گا اور برے لوگوں کو برے کاموں کی سزا ملے گی۔ اگر کسی نیک شخص نے طبعی حوادث اور مصائب پر صبر کیا ہو یا کسی ظالم کے ظلم پر صبر کیا ہو اور کمزور ہونے کی وجہ سے ظالم سے بدلہ نہ لے سکا ہو یا ظلم کا ازالہ نہ کرا سکا ہو تو اسے احکم الحاکمین کی عدالت سے انصاف بھی ملے گا اور بے حد وحساب اجر بھی حاصل ہوگا "انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب" (۱۰۸/ب) "بے شک صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حد وحساب ملے گا"۔ اللہ تعالیٰ جہاں زبردست اور غالب ہے وہیں وہ حکیم یعنی صاحب حکمت بھی ہے۔ کائنات میں جو حسن وترتیب ہے وہ اس کے زبردست اور غالب ہونے کی دلیل ہے اور بہ ظاہر کہیں شر یا بے تکا پن دکھائی دے تو اللہ تعالیٰ حکیم بھی ہے اس کی بعض حکمتوں سے ہمارا بے خبر ہونا ایسا ہی ہے جیسے ہم اس وسیع کائنات کی ہر ہر چیز سے اور مظاہر طبعی کے تمام اسرار سے باخبر نہیں ہیں۔ مادی علوم کے ماہرین بھی یہ تو بتاتے ہیں کہ اشیا کیسی ہیں وہ یہ نہیں بتاتے کہ کیوں ہیں۔ مثلاً وہ یہ تو بتا سکتے ہیں کہ افیون میں فلاں فلاں کیمیائی مرکبات ہیں جو نشہ آور ہیں اور جمال گوٹے میں فلاں فلاں کیمیائی مرکبات ہیں جو مسہل ہیں لیکن وہ یہ نہیں بتا سکتے کہ افیون والے اجزا جمال گوٹے میں اور جمال گوٹے والے افیون میں کیوں نہیں ہیں؟ وہ یہ تو بتا سکتے ہیں کہ مثلاً انسانی آنکھوں کی ساخت کس طرح کی ہے اور انسان دیکھتا کیسے ہے لیکن یہ نہیں بتا سکتے کہ آنکھیں دو ہی کیوں ہیں آنکھیں چاروں طرف ہوتیں اور سر کے اوپر بھی آنکھیں ہوتیں تو بہ ظاہر ہمارے لئے نہایت مفید ہوتیں

ادھر ادھر دیکھنے کے لئے گردن اور سر کو حرکت نہ دینی پڑتی۔ یعنی ماہرین اکثر و بیشتر کیف (کیسے) سے بحث کرتے ہیں۔ لم (کیوں) سے بے خبر ہوتے ہیں۔ اس لئے کائنات میں کوئی چیز ہماری سمجھ سے بالاتر ہو اور وہ ہمیں بہ ظاہر شر دکھائی دے تو اس سے خدا کے انکار پر ہرگز کوئی دلیل قائم نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں جہاں دو دو نام یکجا دیئے گئے ہیں تو العزیز اور الحکیم بھی اکثر و بیشتر یک جا ملیں گے۔ العزیز کا معنی ''غالب اور زبردست'' ہے اور الحکیم کا معنی ''صاحب حکمت ودانش'' ہے۔

ملحدین کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ انکارِ خدا سے اخلاقیات کا متاثر ہونا ضروری نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم جنت و دوزخ، مرنے کے بعد زندگی اور جزا و سزا کے قائل نہیں لیکن ہم معاشرے کو اپنا محتسب سمجھتے ہیں اور اخلاقی اقدار کو ملحوظ نہ رکھنے پر معاشرے کے غیظ و غضب کا نشانہ بن سکتے ہیں، لہٰذا معاشرتی بہبود کی خاطر مسلمہ اخلاقی اقدار کو ملحوظ رکھنا ہوگا اور دہریت ان کا انکار نہیں کرتی۔ لیکن ملحدین کا یہ دعویٰ محل نظر ہے۔ معاشرے کے خوف یا معاشرتی مفادات حاصل کرنے کی طمع پر جو اخلاقی عمارت قائم کی جائے گی، ہمیشہ کم زور ہوگی۔ ایثار و محبت، ہمدردی اور خدمت خلق بے لوث نہ ہوں گی۔ قانون سے فرار اور سزا سے بچ نکلنے کی عیارانہ تراکیب اور چالیں اور معاشرتی مفادات سمیٹنے کے لالچ میں مصنوعی اخلاقیات، سچی اخلاقیات کو یقیناً داغدار کریں گی۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ پر صحیح ایمان رکھنے والا اللہ تعالیٰ ہی سے خوف و طمع رکھتا ہے اور اسے جہاں وہ غفور و رحیم سمجھتا ہے تو ساتھ ہی شدید العقاب اور سریع الحساب یعنی بہت سخت سزا دینے والا اور جلد حساب لینے والا بھی سمجھتا ہے۔ اس کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ کوئی اور دیکھے یا نہ دیکھے لیکن اس کا کوئی عمل بل کہ اس کی کوئی نیت، کوئی ارادہ، یہاں تک کہ لمحہ بھر کے لئے دل میں آنے والا کوئی وسوسہ بھی اس کے علیم و خبیر اور بصیر و قدیر رب سے ہرگز پوشیدہ نہیں ہے۔

پانچواں شبہ: یہ ہوسکتا ہے کہ عبادت کو ہی زندگی کا مقصد کیوں ٹھہرایا گیا ہے، حال آں کہ خدمتِ خلق بہت بڑی نیکی ہے؟ اس کا جواب سورہ فاتحہ میں یوں دیا گیا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے ہدایت یافتہ اور انعام یافتہ بندے ان بندوں سے قطعاً الگ اور ممتاز ہیں جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور جو گم راہ ہوئے۔ خدمتِ خلق تو جھوٹے مذاہب والے لوگ بھی کرتے ہیں۔ اگر خدمتِ خلق کو دنیوی زندگی کا اولیں مقصد اور اخروی فلاح و کامرانی کا واحد ذریعے قرار دیا جائے تو سچے دین اسلام کے پیروکاروں اور ادیان باطلہ پر چلنے والوں میں کوئی فرق اور امتیاز ہی باقی نہیں رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ خدمت خلق کو اللہ تعالیٰ پر سچے ایمان اور اس کی صحیح عبادت کے تابع رکھا گیا ہے۔ بالفاظ دیگر عبادت کے اندر خدمت خلق از خود شامل

ہے، چناں چہ اللہ تعالیٰ کی توحید الوہیت (یعنی اللہ کے سوا کوئی اور عبادت کے لائق نہیں) پر سورہ فاتحہ کی ابتدائی تین آیات میں جو دلیل قائم کی گئی ہے اس میں خدمتِ خلق کے مطلوب ومقصود ہونے کی طرف بھی واضح اشارہ موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو اسباب کا کارخانہ بنایا ہے اس نے اپنی ربوبیت ورحمت اور مظلوموں کو انصاف بہم پہنچانے کے اسباب اس دنیا میں بھی قائم کر رکھے ہیں، مثلاً والدین اولاد کے حق میں، اچھے اساتذہ اپنے شاگردوں کے حق میں، اچھے حکمران رعایا کے حق میں مربی اور مشفق ومہربان ہوتے ہیں۔ ان معاشرتی تعلقات نے باہم حقوق وفرائض کا ایک سلسلہ قائم کر رکھا ہے۔ خدمتِ خلق ان ہی حقوق وفرائض کو خوش اسلوبی سے نبھانے کا نام ہے۔ معاشرے کو اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ اس کے افراد باہم عدل واحسان، رحمت وشفقت اور مستحق افراد کی اخلاقی ومالی مدد ونصرت کو ملحوظ رکھیں۔ تاہم جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ پر سچے ایمان اور اس کی صحیح عبادت کے تابع ہے کہ اس کے بغیر خدمت خلق کا کوئی اخروی فائدہ نہ ہوگا۔ مثلاً سورہ بلد میں ہے کہ انسان یہ کہتا رہتا ہے کہ اس نے ڈھیروں مال خرچ کر ڈالا۔ کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ کسی نے اسے دیکھا ہی نہیں؟ کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہیں بنائیں اور اسے زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے اور ہم نے اسے دونوں راستے (ہدایت اور گم راہی کے نہیں) دکھائے؟ (وہ خود نہیں دیکھ سکتا تھا تو اپنی زبان اور ہونٹوں سے وہ کسی عقل مند سے پوچھ لیتا) تو وہ (مشکل) گھاٹی میں تو داخل ہی نہیں ہوا اور تجھے کیا خبر کہ یہ گھاٹی ہے کیا؟ کسی گردن (غلام، لونڈی، بے قصور قیدی وغیرہ) کو آزاد کرنا، یا بھوک والے دن (یعنی قحط سالی میں) کھانا کھلانا کسی رشتہ دار یتیم کو یا کسی خاکسار مسکین کو۔ پھر (اس کے ساتھ ساتھ) وہ ان لوگوں میں سے ہوتا جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر کرنے کی اور آپس میں رحم کرنے کی وصیت کی۔ یہی وہ لوگ (بہ روز قیامت) دائیں جانب والے (خوش قسمت) ہوں گے۔ (۱۰۸/ ج) اور سورہ نحل میں ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں عدل اور احسان کا اور رشتہ داروں کو (مال) دینے کا حکم دیتا ہے اور تمہیں بے حیائی اور برے کاموں اور سرکشی سے روکتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو (۱۰۹/ الف) اور مثلاً سورہ بقرہ میں ہے کہ ان لوگوں کی مثال جو اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ایک دانے کی مثال کی طرح ہے جو سات بالیاں اگائے ہر بالی میں سو سو دانے ہوں اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے (اس سے بھی زیادہ اجر) بڑھا دیتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا اور جاننے والا ہے۔ جو لوگ اپنے اموال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اس کے بعد (جس پر خرچ کیا ہے اس پر) نہ تو احسان جتاتے ہیں اور نہ ایذا دیتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے ان پر نہ تو کچھ خوف ہوگا (جو قیامت کے دن حقیقت میں

بدل جائے) اور نہ ہی وہ رنجیدہ ہوں گے۔ (سائل سے یا مستحق سے) نرم بات کہنا اور معاف کر دینا اس صدقے سے بہتر ہے جس کے بعد ایذا رسانی ہو اور اللہ تعالیٰ بے نیاز (اور) تحمل والا ہے۔ اے ایمان والو! اپنی خیراتوں کو احسان جتا کر اور ایذا پہنچا کر برباد نہ کرو۔ جس طرح وہ شخص جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرے اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہو اور نہ قیامت پر، اسی کی مثال اس صاف پتھر کی ہے جس پر تھوڑی سی مٹی ہو اور پھر اس پر زوردار بارش برسے اور وہ اسے بالکل صاف اور چکنا چھوڑ دے۔ ان (ریاکاروں) کو اپنی کمائی میں سے کوئی چیز ہاتھ نہیں لگتی اور اللہ کافر لوگوں کو سیدھی راہ پر نہیں چلاتا۔ ان لوگوں کی مثال جو اپنا مال اللہ کی رضامندی کی طلب میں دل کی خوشی اور یقین کے ساتھ خرچ کرتے ہیں اس باغ جیسی ہے جو اونچی زمین پر ہو اور زوردار بارش اس پر برسے اور وہ اپنا پھل دگنا لاوے اور اگر اس پر بارش نہ بھی برسے تو پھوار ہی کافی ہے اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے (۱۰۹/ب) پس زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت قرار دیا جائے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خدمتِ خلق کو نظر انداز کر دیا گیا ہے بل کہ سچی خدمتِ خلق اللہ تعالیٰ کی سچی عبادت کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ دہریوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ انسانی زندگی کا مقصد خدمتِ خلق ہے۔ خدا کے اقرار اور انکار کے بغیر بھی یہ خدمت ہوسکتی ہے حال آں کہ اگر صرف خدمت خلق کو ہی جن وانس کی زندگی کا اصل مقصد قرار دیا جائے تو ان کا مرتبہ دوسرے حیوانات کے برابر ہونا تو درکنار ان سے بھی نیچے گر جائے گا۔ ایک بیل انسان کی جتنی خدمت کرتا ہے انسان دوسرے انسان کی اتنی خدمت ہرگز نہیں کرسکتا۔ بیل مثلاً ساری عمر کسان کا ہل چلاتا ہے، بوڑھا ہوگیا تو کسان نے مثلاً قصاب کے حوالے کر کے رقم بٹور لی۔ قصاب نے اسے ذبح کیا اور ہم نے اس کا گوشت اپنے شکم میں ڈال لیا۔ اس کی کھال کے جوتے وغیرہ تیار کر کے استعمال کئے۔ کتے کو دیکھئے روٹی کے ٹکڑے پر وہ ساری رات گھر کا چوکیداری کرتا ہے بعض اوقات انسان اسے روٹی کا ٹکڑا ڈالنا بھی بھول جاتا ہے وہ پھر بھی بے وفائی نہیں کرتا۔ اگر صرف خدمت خلق کو لیا جائے تو انسان کا مرتبہ تو ایک بیل اور ایک کتے سے بھی نہیں بڑھ سکتا حال آں کہ انسان اشرف المخلوقات ہے پس اگر یہ خدمتِ خلق اللہ تعالیٰ پر صحیح ایمان اور اللہ تعالیٰ کی صحیح عبادت کے تحت ہے تو بہت بڑی نیکی ہے۔ اگر جن وانس ایمان باللہ کی نعمت سے محروم ہوں تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی خدمت خلق کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی، گو دنیا میں اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے اور واہ واہ ہوجائے۔ یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ ایک دہریئے کی خدمت خلق بے لوث کیسے ہوسکتی ہے جب کہ وہ خدا اور جزا وسزا کا قائل ہی نہیں؟ یہ خدمت ریاکاری، دنیا میں واہ واہ حاصل کرنے اور دنیوی مفادات سمیٹنے کے لئے ہوگی خواہ خدمت کرنے والے کو بہ ظاہر اس کا شعور ہو یا نہ ہو۔ (جاری ہے)

حوالہ جات

۱۔ (الف) القرآن الکریم: الطور ۲۹-۳۴ (ب) بائبل کا پرانا عہد نامہ، کتاب امثال ۲۱:۸ (ج) انجیل متی ۲۶:۴۰، ۵۷-۶۸، ایضاً ۲۷:۲۷-۵۰

۲۔ (الف) حزقی ایل ۱۸:۲۰ (ب) کتاب یرمیاہ ۳۱:۱۵ (ج) بائبل سے قرآن تک اردو ترجمہ اظہار الحق جلد ۲ ص ۴۷۲ بہ حوالہ حل الاشکال پادری فانڈر

۳۔ (الف) انجیل مرقس ۱۶:۹ (ب) لوقا ۲۳:۴۳ (ج) انجیل متی ۵:۱۷

۴۔ (الف) ایضاً ۶:۲ (ب) ایضاً ۱۷:۱۸ (ج) ایضاً ۶:۱۹

۵۔ (الف) ایضاً ۱۰:۲۲ (ب) حزقی ایل ۱۸:۲۱-۲۲ (ج) لوقا ۱۵:۷

۶۔ (الف) لوقا ۷:۳۷-۵۰ (ب) متی ۲۷:۴۶ (ج) ا۔ تیمیتھیس ۲:۴

۷۔ (الف) گلیتون ۳:۱۳ (ب) کتاب استثناء ۲۱:۲۲-۲۳ (ج) انجیل یوحنا ۱۱:۵۱

۸۔ (الف) متی ۲۶:۵۷، ۶۳-۶۸ (ب) یرمیاہ ۴:۱۰ (ج) زبور ۸۹:۳۹

۹۔ (الف) حزقی ایل ۱۴:۹ (ب) سلاطین اول ۲۲:۲۱-۲۳ (ج) ایضاً ۲۲:۶

۱۰۔ (الف) یوحنا ۱۹:۱۷-۱۸، متی ۲۷:۳۲، لوقا ۲۳:۲۶، مرقس ۱۵:۲۱ (ب) مرقس ۱۵:۲۵، یوحنا ۱۹:۱۴-۱۵ (ج) مرقس ۱۴:۱۲-۱۷، یوحنا ۱۹:۳۱

۱۱۔ (الف) متہ ۲۷:۳۳، مرقس ۱۵:۲۶، لوقا ۲۳:۳۸، یوحنا ۱۹:۱۹ (ب) متی ۲۸:۲، مرقس ۱۶:۱۵، لوقا ۲۴:۲-۴، یوحنا ۲۰:۱-۲۱ (ج) متی ۲۸:۱-۲، مرقس ۱۶:۲، یوحنا ۲۰:۱

۱۲۔ (الف) لوقا ۲۴:۲، یوحنا ۲۰:۱ (ب) Mathew ۱۲:۳۸-۴۰ (ج) یوحنا باب ۱۹

۱۳۔ (الف) یوحنا ۲۰:۱ (ب) متی ۲۸:۱۱-۱۵ (ج) مجلّہ السیرۃ عالمی زوار اکیڈمی، ناظم آباد، کراچی شمارہ ۱۸، رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ/ ستمبر ۲۰۰۷ء، حصہ حواشی، صفحات ۱۷۵-۱۸۰

۱۴۔ الف) القرآن الکریم: النساء ۱۵۷-۱۵۸ (ب) لوقا ۹:۴۳-۴۵ (ج) ایضاً ۱۸:۳۱-۳۴

۱۵۔ (الف) ایضاً ۲۲:۳۶-۳۸ (ب) کتاب دانیال ۹:۲۶-۳۰، ایضاً ۲۶:۹-۱۹ (ج) السیرۃ عالمی شمارہ ۱۹،

ربیع الاول ۱۴۲۹ھ/ مارچ ۲۰۰۸ء، صفحات ۱۵۹۔۱۷۲، ایضاً شمارہ ۲۱، ربیع الاول ۱۴۳۰ھ/ مارچ ۲۰۰۸ء: ص ۶۸۔۷۷

۱۶۔ (الف) کتاب اعمال ۹:۳۔۹ (ب) ایضاً ۲۲:۶۔۱۱ (ج) ایضاً ۲۶:۱۳۔۱۸

۱۷۔ (الف) رومیوں ۳:۷ (ب) ۱۔کرنتھیوں ۱۵:۵۔۶ (ج) مرقس ۱۶:۱۴

۱۸۔ (الف) متی ۲۸:۱۱۔۱۵ (ب) ۱۔کرنتھیوں ۱۵:۱۵:۲۰ (ج) کلسیوں ۱:۱۸

۱۹۔ (الف) کتاب اعمال ۲۶:۲۲۔۲۳ (ب) طیطس ۱:۱۵ (ج) رومیوں ۱۴:۱۴

۲۰۔ (الف) ۱۔تیمتھیس ۴:۴۔۵ (ب) کتاب احبار ۱۱:۷۔۸ (ج) ایضاً ۱۱:۴۔۵، ۱۳۔۱۹

۲۱۔ (الف) گلتیوں ۳:۱۳ (ب) ۱۔کرنتھیوں ۱:۲۵ (ج) احبار ۲۴:۱۰۔۱۶، ۲۳، ایضاً ۲۰:۹

۲۲۔ (الف) عبرانیوں ۷:۱۸ (ب) گلتیوں ۳:۱۳ (ج) متی ۱۹:۱۷

۲۳۔ (الف) متی ۲۲:۳۶، مرقس ۱۲:۲۹ (ب) لوقا ۱۶:۱۷ (ج) متی ۲۱:۱۰۔۱۱

۲۴۔ (الف) ایضاً ۲۴:۱۹ (ب) یوحنا ۳:۲ (ج) ایضاً ۶:۱۴

۲۵۔ (الف) السیرۃ عالمی، شمارہ ۱۸، حصہ حواشی ص ۱۸۲۔۱۹۹ (ب) رومیوں ۵:۱۲۔۱۵ (ج) کلسیوں ۲:۹

۲۶۔ (الف) فلپیوں ۲:۶۔۸ (ب) کتاب پیدائش ۱۷:۹۔۱۰، احبار ۱۲:۱۳ (ج) لوقا ۲:۲۱

۲۷۔ (الف) گلتیوں ۵:۲ (ب) گلتیوں ۱:۱۵۔۱۷ (ج) ایضاً ۲:۱۰۔۱۳

۲۸۔ (الف) رومیوں ۳:۷ (ب) لوقا ۱:۳۲۔۳۳ (ج) متی ۱:۱۰

۲۹۔ (الف) تواریخ دوم ۳۶:۵، ۹ (ب) یرمیاہ ۳۶:۳۰ (ج) متی ۱۷:۱۰۔۱۳، ایضاً ۱۱:۱۴

۳۰۔ (الف) یوحنا ۱۹:۲۱ (ب) متی ۲۴:۲۴ (ج) یوحنا ۵:۳۱

۳۱۔ (الف) ایضاً ۸:۱۴ (ب) لوقا ۹:۱۸۔۲۱ (ج) السیرۃ عالمی، شمارہ ۱۹، ص ۱۵۴۔۱۵۶

۳۲۔ (الف) یرمیاہ ۴:۱۰، زبور ۸۹:۳۹، حزقی ایل ۱۴:۹ (ب) یرمیاہ ۲۳:۱۰۔۱۱ (ج) ایضاً ۶:۱۳

۳۳۔ (الف) السیرۃ عالمی، شمارہ ۱۹، ۱۱۴۔۱۱۹ (ب) متی ۱۲:۲ (ج) مرقس ۱۶:۱۵۔۱۸

۳۴۔ الف) یوحنا ۱۴:۱۲ (ب) متی ۲۴:۲۴ (ج) احبار ۲۴:۱۶

۳۵۔ الف) گلتیوں ۳:۱۳ (ب) احبار ۲۴:۱۰۔۱۴ (ج) ایضاً ۲۰:۹

۳۶۔ (الف) مرقس ۱۰:۲۹۔۳۱ (ب) لوقا ۲۳:۴۲۔۴۳ (ج) بائبل سے قرآن تک ۲/۴:۲۷۴ بہ حوالہ حل الاشکال پادری فائدر

۳۷۔ (الف) متی ۱۹:۲۸ (ب) ایضاً ۲۶:۱۴۔۱۵، ۴۷۔۴۹ (ج) السیرۃ عالمی، شمارہ ۲۰، رمضان المبارک

۱۴۲۹ھ/ستمبر ۲۰۰۸ء، ص ۱۲۶۔۱۳۴

۳۸/ الف۔ کتاب پیدائش: ۱۸:۲۳ (ب) ایضاً: ۱۹:۳۰۔۳۸ (ج) ایضاً ۲۵:۲۹۔۳۴

۳۹/ الف۔ ایضاً باب ۳۴ (ب) ایضاً ۳۵:۲۲ (ج) ایضاً باب ۳۸

۴۰۔ (الف) ایضاً ۳۵:۲۔۴ (ب) کتاب خروج ۳۲:۱۔۶ (ج) کتاب گنتی ۲۰:۴۸۔۵۲

۴۱۔ (الف) کتاب سموئیل دوم، باب ۱۱ (ب) ایضاً باب ۱۳ (ج) ایضاً ۱۶:۲۲

۴۲۔ (الف) سلاطین اول ۱۱:۱۔۱۱ (ب) گنتی ۳۱:۱۷۔۱۸ (ج) کتاب یشوع ۶:۲۱

۴۳۔ (الف) سموئیل دوم ۱۲:۲۹۔۳۲ (ب) السیرۃ عالمی، شمارہ ۱۹، ص ۱۱۹۔۱۲۳، ۱۳۰۔۱۳۱ (ج) کتاب یسعیاہ ۲۰:۳۔۴

۴۴۔ (الف) ہوسیع ۱:۱۔۲ (ب) حزقی ایل ۴:۱۲۔۱۵ (ج) پیدائش ۹:۱۸۔۲۲

۴۵۔ (الف) ایضاً ۳۸:۶۔۳۰ (ب) متی ۱:۳، لوقا ۴:۲۲ (ج) پیدائش ۱۹:۳۰۔۳۸

۴۶۔ (الف) متی ۱:۵، لوقا ۴:۳۳ (ب) کتاب روت باب ۴ (ج) متی ۱:۶۔۷

۴۷۔ (الف) سلاطین اول ۱۴:۲۱ (ب) سموئیل دوم ۱۲:۱۴، ۱۸ (ج) سموئیل اول ۱۸:۲۱۔۲۷

۴۸۔ (الف) یوحنا ۱۱:۵ (ب) السیرۃ عالمی، شمارہ ۱۹، ص ۱۲۳۔۱۳۰ (ج) السیرۃ عالمی شمارہ ۲۰، ص ۱۵۵۔۱۷۷

۴۹۔ (الف) القرآن الکریم: الروم ۱۔۷ (ب) القصص: ۸۵ (ج) البقرہ: ۹۴۔۹۵

۵۰۔ (الف) الحشر: ۱۱۔۱۲ (ب) الکوثر: ۳، الانشراح: ۴ (ج) الحجر: ۹ (د) الاسراء: ۸۸

۵۱۔ (الف) البینۃ ۱۔۳ (۱۔۳) (ب) السیرۃ عالمی، شمارہ ۲۰، ص ۹۷۔۱۰۲ (ج) البقرہ: ۱۱۱

۵۲۔ (الف) السیرۃ عالمی، شمارہ ۲۰، ص ۱۲۶۔۱۳۴ (ب) ایضاً ص ۱۷۷۔۱۸۱ (ج) المنافقون: ۷۔۸

۵۳۔ (الف) آل عمران: ۷۲ (ب) ایضاً: ۶۹ (ج) الانفال: ۳۰

۵۴۔ (الف) آل عمران: ۱۲۲ (ب) السیرۃ عالمی، شمارہ ۲۰، ص ۱۸۷۔۱۹۰ (ج) یوسف: ۳

۵۵۔ (الف) العنکبوت: ۴۸ (ب) یونس: ۳۷ (ج) البقرہ: ۲۵۲

۵۶۔ (الف) آل عمران: ۴۵، النساء: ۱۵۶۔۱۵۸، المائدہ: ۱۷، ۷۲، ۷۳ (ب) التوبہ: ۴۳ (ج) عبس: ۱۔۱۲

۵۷۔ (الف) علوم القرآن علامہ شمس الحق افغانی۔ مکتبہ الحسن، اردو بازار، لاہور: ص ۴۹ بہ حوالہ بخاری و مستدرک حاکم (ب) لوقا ۹:۱۸۔۲۱ (ج) ایضاً ۲۲:۴۱۔۴۴

۵۸۔ (الف) الفرقان: ۲۶۔۲۹ (ب) الصف: ۶ (ج) البقرہ: ۱۹۶

۵۹۔ (الف) الاعراف:۱۵۷ (ب) الفتح:۲۹ (ج) یسعیاہ ۴۲:۱۔۸

۶۰۔ (الف) زجاجۃ المصابیح۔ خیریہ کتب خانہ کانسی روڈ کوئٹہ، طبع ۱۴۱۱ھ: ج ۵، ص ۱۸۔۱۹۔ بہ حوالہ بخاری عن عطاء بن یسار عن عبداللہ بن عمروؓ بن العاص، دارمی عن عطاء بن یسار عن عبداللہ بن سلام نحوہ (ب) یسعیاہ ۴۲:۱۶ (ج) ایضاً ۴۲:۹

۶۱۔ (الف) السیرۃ عالمی، شمارہ ۱۷، ربیع الاول ۱۴۲۸ھ/ مارچ ۲۰۰۷ء، ص ۱۶۱۔۱۶۳ (ب) ایضاً ص ۱۴۸: ۱۵۳ (ج) استثناء ۳۲:۲۱

۶۲۔ (الف) یسعیاہ ۶۵:۱ (ب) آل عمران:۱۶۴ (ج) رومیوں ۱۰:۱۲۔۲۱

۶۳۔ (الف) کرنتھیوں ۱:۲۲ (ب) استثناء ۱۸:۱۸۔۱۹ (ج) ایضاً ۳۴:۱۰

۶۴۔ (الف) متی ۱۵:۱۷۔۱۸ (ب) النجم ۱۰ (ج) المزمل ۱۵

۶۵۔ (الف) پیدائش ۲۵:۱۸ (ب) ایضاً ۱۶:۱۰ (ج) ایضاً ۱۷:۲۰

۶۶۔ (الف) ایضاً ۲۱:۱۷۔۲۰ (ب) ایضاً ۱۸:۱۰۔۱۵ (ج) السیرۃ عالمی شمارہ ۱۷، ص ۱۶۱۔۱۷۰

۶۷۔ (الف) پیدائش ۲۷:۲۹ (ب) دیکھئے حاشیہ ۶۶/ ج (ج) استثناء ۱۸:۱۵

۶۸۔ (الف) کتاب اعمال ۳:۲۱۔۲۲ (ب) یوحنا ۵:۴۶ (ج) استناء ۳۳:۲

۶۹۔ (الف) زبور ۱۴۹:۱۔۹ (ب) التوبۃ ۱۰۰ (ج) آل عمران۔۱۹۱

۷۰۔ (الف) سلاطین اول ۱۱:۱، ۹، ۱۴، ۳۱، ۴۱، تورخ دوم ۹:۲۹ (ب) یہوداہ کا عام خط: ۱۴۔۱۵ (ج) پیدائش ۴۲:۱۰۔۱۱

۷۱۔ (الف) کرنتھیوں ۱:۲ (ب) رومیوں ۱۵:۲۵ (ج) کتاب ایوب ۱:۵

۷۲۔ (الف) زکریاہ ۹:۹ (ب) متی ۲۱:۱۔۱۳، مرقس ۱۱:۱۔۱۱، لوقا ۱۹:۲۸۔۴۰، یوحنا ۱۲:۱۲۔۱۹ (ج) متی ۳:۱۔۲

۷۳۔ (الف) لوقا ۱۷:۲۰۔۲۱ (ب) ایضاً ۴:۱۷ (ج) ایضاً ۴:۲۳

۷۴۔ (الف) متی ۱۰:۷ (ب) لوقا ۱۰:۸۔۱۱ (ج) متی ۶:۷۔۱۳

۷۵۔ (الف) لوقا ۱۷:۲۱ (ب) سنن ابوداؤد/ کتاب الطب، کیف الرُّقی عن ابی الدرداءؓ ومسند احمد عن فضالۃ بن عبید ۶/ ۲۱ (ج) متی ۶:۷۔۱۳

۷۶۔ (الف) الشعراء:۳ (ب) المائدہ:۳ (ج) السیرۃ عالمی، شمارہ ۱۹، ص ۱۴۳۔۱۴۹، ۱۵۴۔۱۵۶

۷۷۔ (الف) متی ۲۱:۲۱۔۴۵ (ب) زجاجۃ المصابیح (۵/۳۔۴ بہ حوالہ صحیحین عن ابی ہریرہؓ (ج) متی ۲۰:۱۔۱۶ ملخصاً